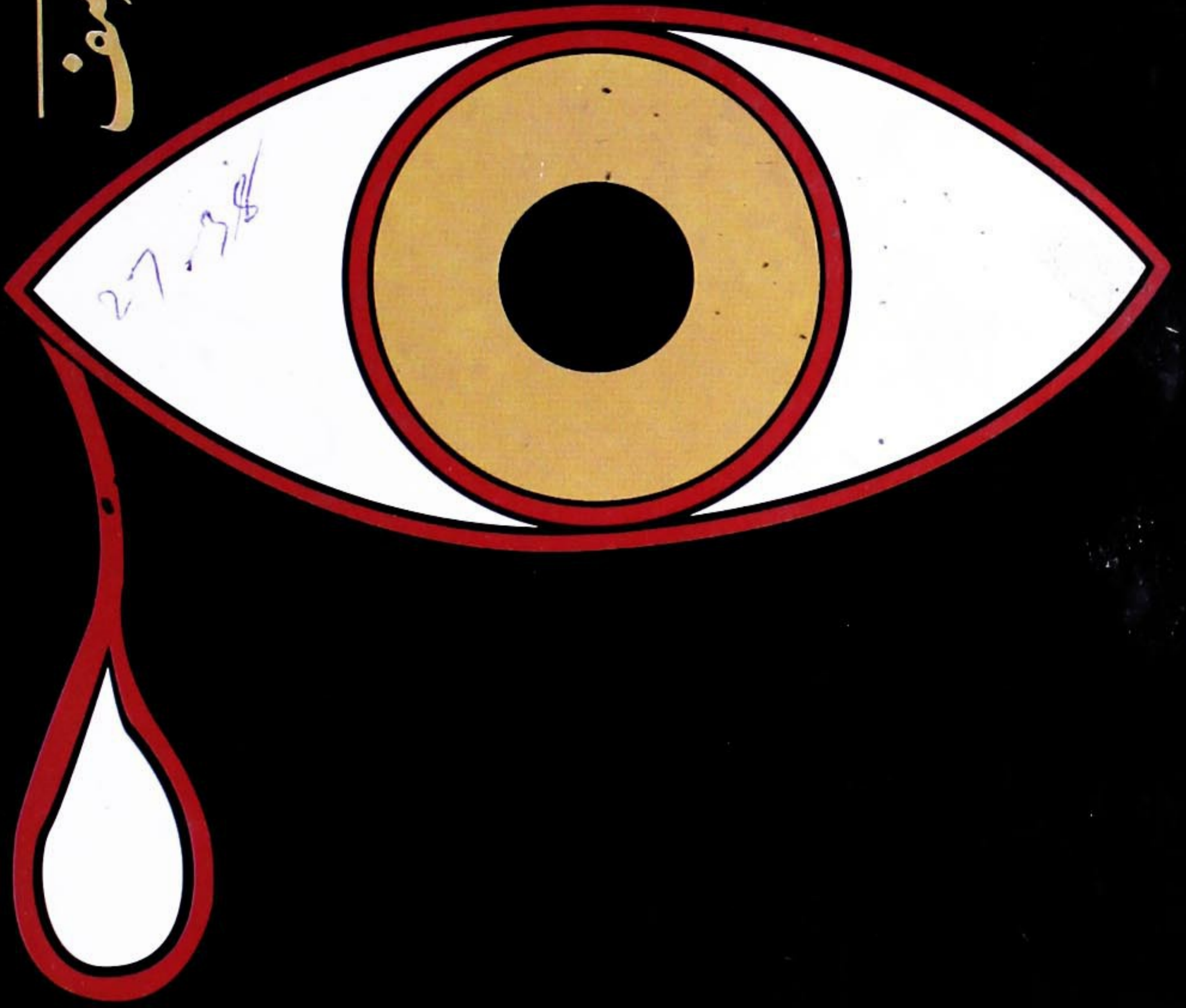


واصف علی واصف



شب چراغ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاصِفِ عَلٰی وَاصِفِ

شَبِّهِ چِرَاعِ

شبِ پیر غم

واصف علی واصف

ناشر:

گائیڈ پبلی کیشنز

۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور، فون: ۴۳۸۰۰۵۳۰

جملہ حقوق محفوظ ہیں

84119

شب چراغ

نام کتاب

واصف علی واصف

مصنف

کاشف پبلی کیشنز

ناشر

۳۰- اے، جوہر ٹاؤن - لاہور (پاکستان)

فون: ۵۳۰۰۲۳۸

محمد حنیف رامے

سرورق

زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

200 روپے

قیمت

خزینہ علم و ادب

ڈسٹری بیوٹرز:

الکرییم مارکیٹ اردو بازار لاہور

انتساب

والدین کے نام

جن کی دُعاؤں کی بدولت میں
”شب چراغ“ پیش کر رہا ہوں

فہرست

سیم بہ سیم

- ۱۵ _____ حمد باری تعالیٰ ؛ یا البی تو کار ساز و کریم
- ۱۸ _____ بارگاہِ صمدیت میں تو ایک قلمِ رحمت و وسیعِ دہ پایاں
- ۲۱ _____ بعد از خدا بزرگ توفیٰ یا نبی تیرا کرم در کار ہے
- ۲۳ _____ میسلا دلنبیٰ ؛ مبارک اہل ایماں کو کہ ختم المرسلین آئے
- ۲۶ _____ معراج کی رات ؛ باہم اقصیٰ سے چلا رشکِ قمر آج کی رات
- ۲۹ _____ شیرِ یزدانِ علی مولائے زندانِ جہاں ہے
- ۳۲ _____ لافقی بس رہی ہے فضاؤں میں خوشبو
- ۳۵ _____ امام حسینؑ ؛ السلام اے نورِ اول کے نشاں
- ۳۷ _____ گنج بخش فیضِ عالم ؛ السلام اے سیدِ ہجویرِ قطب الاولیاء
- ۴۰ _____ خواجہ جی ؛ خواجہ ملن کی پیاس سے دل میں مینوں میں برساتیں ہیں !
- ۴۱ _____ خواجہ معین الدین ؛ آفتابِ روزے احمد کی دہخندہ کرن
- ۴۳ _____ فرید الدین مسعود گنجِ شکر ؛ جہد و زہد نہ بسیار گنجِ شکر با فریدؒ
- ۴۵ _____ چل خسرو گھراپنے ؛ میں ماٹی کی سورتی ، ماٹی میرا دیس
- ۴۷ _____ کلیم بوذری ؛ الخدر از حسبِ دنیا الخدر
- ۵۲ _____ مے شوق ؛ تری شان بو ترابی ، میرا ذوق ناک بازی
- ۵۳ _____ طائرِ لامبوتی ؛ میں نعرو مستانہ ، میں شوخیِ زندانہ
- ۵۵ _____ زندگی ؛ زندگی اپنے لٹو کا نام ہے
- ۶۱ _____ کاروانِ حیات ؛ کاروانِ زندگی پیہم رواں بنے صبح و شام

- نوائے راز : شب انتظار کی بات ہوں غم برقرار کی بات ہوں
 ۶۲ بندہ و بندہ نواز ، بنا چار تنکوں کا آشیاں کہ تڑپ تڑپ اٹھیں بجلیاں
 ۶۰ یوم شوکت اسلام : اے خوشایوم شوکت اسلام
 ۶۲ وطن کا مجاہد : اسلام اے عظمت شان وطن
 ۶۵ میں کون ہوں - بادل ہوں : میں مجھوم کے اٹھا ہوں
 ۶۹ مسافر : فروداں انجمن سے جا رہا ہوں
 ۸۲ راتیں : (جہاد کا تصوراتی خاکہ) شرح و تلیل ہیں گیسوئے مغنبر راتیں
 ۸۵ "جنون و خرد" : خرد کا اصل یہی ہے کہ بے رحیم و لعین
 ۹۲ قطعے : (۱) خرد کی موت بنی ہے (۲) خرد سحر مستی ہے
 ۹۳ دُور کی آواز : آرہی ہے یہ دُور سے آواز
 ۱۱۱ بھنور اقبال : اسلام اے ملتِ سلامیہ کے جاں نثار
 ۱۱۳ قائدِ اعظم : آدیکھ ذرا رنگِ چمن قائدِ اعظم
 ۱۱۵ دُعا : الہی واسطہ رحمت کا تجھ کو

سخن در سخن

- ردائے شب سے ورا آفتاب تھے کتنے
 ۱۲۶ ظاہر میں گرچہ جسم مرابے خورشید سے
 ۱۲۸ گرد سفر میں قافلہ ملت کا اٹ گیا
 ۱۲۹ گلہ نہیں بنے اگر میں تری نظر میں نہیں
 ۱۳۰ راز دل آشکار آنکھوں میں
 ۱۳۱ آنکھ برسی تو بے بہا برسی !
 ۱۳۲ ہر شام گرچہ آئی نظر حوصلہ شکن
 ۱۲۲ جو لوگ سمندر میں بھی رہ کر رہے پیلے
 ۱۲۵ رستے میں اک شجر ہے زمیں پر پڑا ہوا
 ۱۲۶ ہر چہرے میں آتی ہے نظریار کی صورت
 ۱۲۷

- ۱۳۹ ————— میں ہر اک موج کے ہواؤ بکھرنے والا
- ۱۴۰ ————— چھوڑ کر جانے مجھے رنگِ مدارات سمجھو
- ۱۴۱ ————— ہر انسان یہی کتاب ہے، دیکھو تو اب کیا ہوتا ہے
- ۱۴۲ ————— لب پہ آکر رہ گئی ہے عرضِ حال
- ۱۴۳ ————— یہ روشنی ہے مانگی ہوئی آفتاب سے
- ۱۴۵ ————— کب رات کٹے کب ہو سحر کہہ نہیں سکتے
- ۱۴۶ ————— کل تک جو کہ رہے تھے بڑے حوصلے کی بات
- ۱۴۷ ————— تو فیصلہ ترکِ ملاقات میں گم ہے
- ۱۴۸ ————— کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
- ۱۴۹ ————— سنگِ درجیب ہے اور سرِ غریب کا!
- ۱۵۰ ————— نہ آیا ہوں نہ میں لایا گیا ہوں
- ۱۵۱ ————— تیری نگاہِ لطف اگر مبسفر نہ ہو
- ۱۵۲ ————— کبھی بلا کے کبھی پاس جل کے دیکھ لیا
- ۱۵۳ ————— تنہا سفر میں یا میں کسی آنجن میں ہوں
- ۱۵۴ ————— تیری طلب میں جاں بہ لب ہو گیا ہوں میں
- ۱۵۵ ————— شام تو شام، صبح بھی ہے رات
- ۱۵۶ ————— میں ایسے رنگ و بو پا بند آب و گل رہا
- ۱۵۷ ————— بلا ہے جو مقدر میں رقم تھا
- ۱۵۸ ————— پھر تجھے یاد کر رہا ہوں میں
- ۱۵۹ ————— کیا سوچ کے آنے تھے تری بزم میں ہم آج
- ۱۶۰ ————— زندگی سنگِ دربار سے آگے نہ بڑھی
- ۱۶۱ ————— ترے قریب ہوتے جب سے اشکبار ہوتے
- ۱۶۲ ————— ہم غریبوں پہ عنایات، خدا خیر کرے
- ۱۶۳ ————— دیے ہیں تو نے زمانے کو بھر کے جامِ دستو
- ۱۶۴ ————— دوستو! دوستی کا نام نہ لو!

- ۱۶۵ زبان تم ہیں ہمہ گوش و گفتگو ہم ہیں
- ۱۶۶ شکوہ تو نہیں بستی اگر وقت الم ہے!
- ۱۶۷ سنبھل جاؤ غمین والو! طرب ہم نہ کہتے تھے!
- ۱۶۹ برقہ دل کشی بنے کیا کیے!
- ۱۷۰ کس قدر پابند ہے تحریر کی
- ۱۷۱ شمع اعجاز ہے تیری نظر کا
- ۱۷۲ اپنی بستی کو ہم الم سمجھے
- ۱۷۳ ذرا زلف برہم کے خم دیکھنا
- ۱۷۴ ستم ہوں گے مگر پیہم نہ ہوں گے
- ۱۷۵ شب بستی کٹی ہے مرمر کے
- ۱۷۶ کب اڑا لے گئی ہو امت پوچھ
- ۱۷۷ ترے خیال نے بخش تھی جو خوشی نہ رہی
- ۱۷۸ جذبات زیر گردش حالات سو گئے
- ۱۷۹ خانہ پڑے میں جام کوئی بات کیجیے
- ۱۸۰ چمکتے جسم کے سحر کا اک سراپ ہوں میں
- ۱۸۱ نشاط رنگ و بو سے بے نیاز آرزو جو کر
- ۱۸۲ میں آرزوئے دید کے کس مرتلے میں ہوں
- ۱۸۳ میرے سر پر جو ٹوٹا تھا
- ۱۸۴ اپنی محفل میں مجھے بلوائے دیکھ
- ۱۸۵ کون کسی کا اس دنیا میں کس نے پیت نہ جانی
- ۱۸۶ میں خود تلاطم قلزم ہوں خود ہی دشت کی پیاس
- ۱۸۷ چمپوں کہاں کہ میں ہوں راز جو برستی
- ۱۸۸ خیال تھا جس کی نکاہوں پہ عالم اسرار
- ۱۸۹ وہ نہیں ملتا جسے مانگا گیا!
- ۱۹۰ تلاش کرتا رہا دشت میں جسے آہو

- ۱۹۱ _____ ود جو کردار کا مشا لی ہے
- ۱۹۲ _____ قیامت کس طرح آئی۔ اسے کوئی نہیں سمجھا
- ۱۹۳ _____ ود پاس تھا تو مجھے منزلیں دکھاتا تھا
- ۱۹۴ _____ بول حرف نہ بنا، تقریر طولانی نہ کر
- ۱۹۵ _____ رونق بوم طرب، یاد نہ کر

کرن کرن

- ۱۹۹ _____ شاہد و شہود : نور مجسم، خلق سے پہلے
- ۲۰۲ _____ اول و آخر : دانہ گندم، گناہ اولیں
- ۲۰۳ _____ بکت : یہ ایک لمحہ جہان نو کا پیامبر ہے
- ۲۰۴ _____ ملاشش : میں نوجو گرہوں
- ۲۰۵ _____ فیصلہ : ادھار سے ٹکے کر آیا
- ۲۰۶ _____ دیک : خیال کی حد توں میں شب بھر
- ۲۰۸ _____ صلابت : آفاقی تنوریں لے کر
- ۲۱۰ _____ تکمیل : امن کیا ہے ؟
- ۲۱۱ _____ تضاد : تجھے جی حق ہے، مجھے بھی حق ہے
- ۲۱۲ _____ شہر سنگ : دل ہے — پتھر
- ۲۱۳ _____ پرانے کاغذ : چھپے ہوئے آتشیں بنزیرے
- ۲۱۵ _____ رشتہ : جھلس جھلس
- ۲۱۷ _____ برقاس : پٹر چپ چاپ مکان انگ، فضا میں خاموش
- ۲۱۹ _____ فرمائش : آخر اک دن

تن من
(متفرق اشعار)
دوہے

۲۲۳-۲۲۸ _____ مدنی کنارے میں کٹھری جانا ہے اس پار

کلام نو

- ۲۳۱ _____ نعت : من رآنی کا مدعا چہرہ
- ۲۳۲ _____ باعثِ حریفِ دُعا یاد نہیں
- ۲۳۳ _____ دُور سے اڑ کے مرے دیں میں آئی مٹی
- ۲۳۴ _____ چاندنی رات میں کھلے چہرے
- ۲۳۵ _____ مرے جاں کا نصاب چہرے
- ۲۳۶ _____ دُور تک بے مائیگی کا سلسلہ محسوس کر
- ۲۳۷ _____ روشنی، کائنات کی خوشبو
- ۲۳۸ _____ تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کندھی
- ۲۳۹ _____ چاند پانی میں یوں اتر آیا
- ۲۴۰ _____ آپ جس دن سے مہرباں ٹھہرے
- ۲۴۱ _____ رخصت کے وقت صبر کی تلقین کر گیا
- ۲۴۲ _____ مست پوچھ کہ میں کتنی بلندی سے گرا ہوں
- ۲۴۳ _____ ہم نے اپنے دُور میں کیا کیا دیکھا ہے
- ۲۴۴ _____ قدم قدم پہ تھا اک مرحلہ، میں کیا کرتا
- ۲۴۵ _____ پھرنگاہوں کو یہاں بس ہے آجا
- ۲۴۶ _____ اس کا کیا اعتبار اب سو جا
- ۲۴۷ _____ میں نے انکار کے چہرے سے ہٹایا پردہ
- ۲۴۸ _____ خوشبو سے رنگ رنگ سے خوشبو نکال دے
- ۲۴۹ _____ وہ مرا ہم سفر ہو ممکن ہے
- ۲۵۰ _____ تلخی زبان تک تھی وہ دل کا بُرا نہ تھا
- ۲۵۱ _____ کیوں ٹوٹ گیا تارا؟
- ۲۵۲ _____ پنجابی کلام (انتخاب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
(نظمیں)

لا پھراک باروہی بادہ و جام اے ساتی

ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساتی

(اقبال)

شب چراغ

حمدِ باری تعالیٰ

یا الہی تو کار ساز و کریم !
 بے نیازی تجھی کو زیبا ہے
 عالم شش بہت خنی و جلی !
 ہیں وجود و عدم تری تخلیق
 تیرے جلوے عیاں ہوتے ہر جا
 بے نیاز وجود نور ترا !
 عرشی و سرشی نوری و ناری
 گنجِ مخنی بھی آشکار بھی تو
 کب رسم ہو سکے ثنا تیری !
 کوئی ہمسرنہ بے شریک ترا
 تو نے بنجھا ہے سب کو ذوقِ نمود
 موجِ قلزم تری جب سال ترے
 اپنے اپنے مدار میں گرداں
 قلبِ مضطر کا تو تہار و سکوں

مادراتے حدوث نور تدریم
 اول و آخر و خمیر و عظیم
 سب کا خالق ہے تو محیط و مقیم
 دم بدم ہر جگہ عیان و عدیم
 رنگِ گل، شبنم و نسیم و شمیم
 آیتہ دیکھنے کو قلبِ سلیم
 جن و انساں کریں تری تعظیم
 ہوازل یا ابد تری تسلیم !
 راقم اشجار ہوں بحورِ تسلیم !
 جو کرے دعویٰ وہ لعین و رجیم
 یہ کو اکب و تسم، یہ شمسِ عظیم
 ہفت افلاک و ارض کا ہے نعیم
 یہ نجومِ فلک، جمہیل و جسم
 تو ہے ستار تو غفور و رحیم

صورتِ دمعنی ہیں کلام و کلیم
 منتقمِ تُو ہے، تُو نزلِ عظیم
 لقمہٴ نارِ موتِ سدہ ہو عنیم
 زندہ ہیں اس لیے کہ تُو ہے کریم
 مورِ بے مایہ ہو کہ فیصلِ شمیم
 آدمی ہے مگر ظلوم و خصیم
 تجھ کو سمجھے کوئی کہاں کا فہیم
 ذرہ ذرہ کے عزیز و حکیم
 ذاتِ اقدس تری زلفِ رحیم
 اے شہِ انس و جاں حکیم و حلیم
 دل سے ہوں دُور خواہشاتِ ذمیم
 صرف تیری لگن ہو عزمِ صمیم
 چاہنے والوں کو عطا ہو گلیم !
 تیرے باغی نہ ہوں امیر و لہیم ؟
 دودھ پانی کی ہو ذرا تقسیم
 لوگ کرنے چلیں ہیں کچھ ترمیم

تُو عیاں میں بہاں، نہاں میں عیاں
 تُو ہی تبتِ ارقا و در و عجاہر !
 تیری ہی ہیبت سے کانپتے ہیں جہاں
 کافر و مشرک و ہنود و یہود !
 جی رہے ہیں ترے سہاے پر
 تُو بے رازقِ محافظ و مولا !
 عقل حیراں ہے فلسفہٴ گمِ ضم
 تیری تسبیح، کائنات کی خواہ
 تیرا احسان ہے بہ شکلِ نبی
 اپنے محبوب کی محبت بخش
 معصیتِ معرفت میں ہو تبدیل
 خاک ہو جائے ناسوا کی طلب
 مومنوں کو لے نفعِ انِ سحر !
 تیرے بندے نہ ہوں نحیف و غریب
 راہِ برکون، کون ہے رہزن ؟
 اپنے اسلام کی حفاظت کر !

شب چراغ

بچھ کو اپنے حبیب کی بے قسم! ہو عطا الفتِ نبی کریم!
ہم بھی دیکھیں ذرا وہی جلوے سامنے ہوں نظر کے طور و کلیم
منظبرِ عینِ حق ہے ذاتِ نبی! مرکز و محور و محبت و مقیم
مسندِ عرش پر میسانِ کمانِ حُسنِ احسن ہے احسن تقویم

شانِ مولا ہو کیا بیاں و اصف
اُس کا احسان ہے عظیم و قدیم

بارگاہِ صمدیت میں

تُو ایک قلزمِ رحمتِ وسیع و بے پایاں
میں ریگِ زارِ تمنا میں تشنہٴ باراں !
ترا جمال کہ ہے کائنات کی تنویر !
میں اکِ مہاجرِ شبِ تیرگی میں سرگرداں
تُو ایک راز کہ ظاہر بھی ہو تو پُرا سرار،
میں تیرے راز کا محرم میں تیرے فنِ کاشاں
تُو سامنے ہو تو چہن جاتے تابِ نظارہ
میں آئینے میں ہوں گمِ مشعلِ دیدہٴ حیراں

تُو لاما کماں کا کماں اپنی ذات میں تنہا !
مری شریکِ سفر کیوں ہو گردشِ دوراں
تُو وہ کہ تُو تے تے ضیلتے ارض و سما
میں تیرہ شب میں تمنائے روزنِ زنداں
تُو خود قریبِ گِ جاں رہے تو بات الگ
میں درمی شبِ بھراں میں شورشِ گریاں
تُو ایک برقِ تجلی کہ ہر وجود میں تُو !
میں ایک سنگ کہ اپنے وجود میں لرزاں
تُو وہ قدیم کہ آغانہ ہے نہ بے انجام ،
میں وہ کہ حادث و فانی و بے خبرانساں
تُو ہر خیال کی رفعت سے ارفع و اعلیٰ !
میں لاؤں کونے الفاظِ شان کے شایاں !
تُو آسکے تو مرے غم کی کائنات میں آ
میں آ گیا تیری چاہت میں اب کہاں کہاں
عجب نہیں تو مرے غمکدے میں آجاتے
عجب نہیں کہ مرے درد کو ملے درماں !

بجا کہ لطفِ کرم بے کنارے تیرا !
بجا کہ مجھ کو بے احساسِ تنگیِ داماں !

نگاہِ فکر سے پردے اٹھا مرے مولا ،

سیرِ فلک بھی دھواں ہے سیرِ نظر بھی دھواں

تجھے بے واسطہ تیری بقائے مطلق کا ،

مرے وطن کی بقا کا بھی کچھ تو ہو سا ماں !

تُو ہی بتا کہ تجھے کیا کلمے ترا و اصف !

ملے زبان کو دل ، یا عطا ہو دل کو زباں !

بعد از خدا بزرگ توئی

یا نبی تیسرا کرم در کار ہے
آزمائش میں مرا کردار ہے
دشمنانِ دین کے زخے میں ہوں
حادثاتِ دہر کی یلغار ہے !
یا حبیب اللہ تیسرا ذکر بھی !
آج کے ماحول میں دشوار ہے
ہر نظر سہمی ہوئی ہر دل اُداس
زندگی اب زندگی پر بار ہے

عہدِ ماضی میں جو اُمت نئی چٹان
آج وہ گرتی ہوئی دیوار ہے
دین پر دُنیا مسلط ہو گئی،
تیری اُمت بے کس و نادار ہے
دین کی خاطر بلا تھا یہ وطن!
دین کا آئین ہی درکار ہے
دین کیا ہے تیری اُلفت کے سوا،
دین کا بس اک ہی معیار ہے

تُو نظر پھیرے تو طوفاں زندگی!
تُو نظر کر دے تو بیڑا پار ہے!

84119

میلاد النبی

مُبَارک اہلِ ایماں کو کہ ختم المرسلین آئے
مُبَارک صد مُبَارک بانئِ دینِ مبیین آئے
مُبَارک ہو کہ دُنیا میں شہِ دُنیا و دیں آئے
چراغِ طور آئے، زینتِ عرشِ بریں آئے

کہ حُسنِ ذات، دینے کے لیے ذوقِ لقیں آئے
مُبَارک ہر جہاں کو رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِیْنَ آئے

یہ روزِ گن سے بھی پہلے زمانے کی کہانی ہے!
دو عالم میں محمدؐ کا نہ تھا ثانی، نہ ثانی ہے!
فنا زیرِ قدم، اُن کی بقا پر حُکمرانی ہے!
محمدؐ کے غلاموں تک کی ہستی جاودانی ہے!
سرِ اِپا عِشْقِ حَقِّ بنِ کر حَسینوں کے حسین آئے
مُبَارک ہر جہاں کو رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِیْنَ آئے

وہی حلم و طہ ہے مدثر ہیں مزمیل ہیں
 وہ کورنٹا بنی آدم کی تفسیر مکمل ہیں!
 امام الانبیاء ہیں، نور ہیں، انسانِ کامل ہیں
 خدا خود میرے مجلس ہے محمد شمعِ محفل ہیں!

دلوں کو نور دینے کے لیے نور میں آہے
 مبارک ہر جہاں کو رحمتہ للعالمین آتے

دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا، سے آگے بے مہتمم ان کا
 کلامِ اللہ کی تفسیر ہے گویا کلام ان کا
 حیاتِ جاوداں دیتا ہے دنیا کو پیام ان کا
 خدا ہی جانتا ہے کس قدر پیارا ہے نام ان کا

گنہگار و نہ گنہگار او شفیع المذنبین آتے
 مبارک ہر جہاں کو رحمتہ للعالمین آتے

درد و دیوار طیبہ کے خوشی سے جھمکاتے ہیں
فضائیں رقص کرتی ہیں پرندے چہماتے ہیں
ملائک حُور و غلاماں راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں
کہ سلطانِ زمانہ دہر میں تشریف لاتے ہیں

جبینِ آسماں جھکتی ہوئی سوتے زمیں آتے
مُبَارک ہر جہاں کو مَرَحْمَتُ لِلْعَالَمِیْنَ آتے

دو عالم کے دلوں کو نُور دیتا ہے جمالِ اُن کا
یہ جاں اُن کی یہ دل اُن کا صفت اُن کی کمال اُن کا
یہ دن اُن کا چراغ اُن کے سراق اُن کا وصال اُن کا
غلامِ کمتریں و اصطف علی کو بے خیال اُن کا

مُحَمَّدؐ کی غلامی میں قَلُوبَ الْعَاشِقِیْنَ آتے
مُبَارک ہر جہاں کو مَرَحْمَتُ لِلْعَالَمِیْنَ آتے

معراج کی رات

بامِ اقصیٰ سے چلا رشکِ سرِ آج کی رات
فرشِ رہ ہو گئی تاروں کی نظر آج کی رات
مِثْلُکُمْ ہی ہی ہی انسان، مگر آج کی رات
عرشِ پر کرنے گیا ہے وہ بس آج کی رات
دھل گئے نور میں سب ارض و سما، کون و مکان
لامکاں ٹھک ہوئی پروازِ بشر آج کی رات
"قَابِ قَوْسین" سے ادنیٰ ہے مقامِ محمود!
سرنگوں کر گئی ادراک کا سر آج کی رات
عشقِ بے تاب کی کیا بات ہے ائد اللہ!
کھل گئے گنبدِ افلاک کے در آج کی رات
شبِ اسریٰ پہ ہوں قربان ہزاروں راتیں،
برہم، ہستی کی ہے تابندہ سحر آج کی رات
بے خبرِ رفعتِ آدم سے ہے جبریلِ امیں!
منزلِ سدہ ہوئی گردِ سفر آج کی رات

شب چراغ

مرحباً سیدِ مکی مدنی العسری !

عرش سے لائے دعاؤں کا اثر آج کی رات

خُن ہے حدِ تعین سے در آج کی رات

چل دیا سوتے خُدا نُورِ خُدا آج کی رات

آج کی رات ہے تکمیلِ عروجِ آدم

خُسنِ تخلیق پہ نازاں ہے خُدا آج کی رات

آگیا جوش میں رحمت کا سمندرِ امشب

گنجِ مخفی ہوا مائل بہ عطا آج کی رات

نہمت و نور میں ڈھلنے لگے لمعاتِ جمال !

چشمِ فطرت ہوتی حیراں بخُدا آج کی رات

دل دھڑکتے ہیں ستاروں کے قمرِ چشمِ براہ

حور و فلماں نے کہا صلِّ علی آج کی رات

خوشبوئے گیسوتے والیل سے مہکا عالم !

چشم "مازاغ" ہوتی جلوہ نما آج کی رات

بزمِ زنداں نہ ہوتی ورنہ یہ کہتا واصف

خُسنِ خود شوخیِ زندانہ ہوا آج کی رات !

دم بخود گردشِ افلاکِ زمیں آج کی رات
سرنگوں چاند ستاروں کی جبیں آج کی رات
جگمگاتا ہی رے عرشِ بریں آج کی رات
لامکاں میں ہوا انسان مکین آج کی رات!
شوقِ دیدار کی کیسا بات ہے اللہ اللہ
درمیاں میم کا پردہ بھی نہیں آج کی رات
منزلِ سبدرہ سے آگے ہے مقامِ محمود
دیکھتے رہ گئے جب شریں میں آج کی رات
حُور و غلمانِ دلائم کی زباں پر آیا!
حُسنِ بے حد تعین سے حسیں آج کی رات
جانے والا سے کبھی کہ بلانے والا!
کوئی اس راز کا ہمارا نہیں آج کی رات
رفتِ صاحبِ لولاک کوئی کیسا سمجھے
خاک پر گستی رہی عفتل جبیں آج کی رات
آج کی رات دعا مانگ رہا ہے واصف
کر عطار بتِ علی فتحِ مُبیں آج کی رات!

شیرِ رزداں

علیؑ مولائے زندانِ جہاں ہے
علیؑ شیدا محمد مصطفیٰ کا
علیؑ کی ضرب ہے ضربِ الہی
علیؑ کے ہاتھ کو کیسے یدِ اللہ !
علیؑ ہے کر بلاؤں کی حقیقت
علیؑ ساجدِ سلیٰ محمودِ مستی !
علیؑ کی یاد سے ہستی بہاراں ،
علیؑ شاہِ نجف شاہِ ولایت
علیؑ نورِ ہدیٰ کا رازداں ہے
علیؑ گویا مکینِ لامکاں ہے !
علیؑ کا نام نصرت کا نشان ہے
علیؑ "من کنتُ مولا" کا بیان ہے
علیؑ کی داستاں کیا داستاں ہے
علیؑ سجدوں کی عظمت کا نشان ہے
علیؑ سے بعض عرفاں کی خزاں ہے
علیؑ مولا، امامِ ہر زمان ہے

علی غالب علی ارض و سموات
 علی مشکل کشا نخل بنوت !
 علی خیر مکن شیر الہی
 علی ہے واقف راز حقیقت
 علی داما و شاہ ہر جہاں ہے
 علی باب حقیقت بے گماں ہے
 علی مفتاح قلب آسمان ہے
 علی شرع و طریقت کا بیان ہے
 علی لاریب میر کارواں ہے
 علی باغ نبی میں گلستاں ہے
 علی نے دین کو سچا ہو سے

علی کی عین کے گوہر زالے

علیٰ خود معنیٰ علم نہاں ہے

علیٰ قاری علی و تہ آن ناطق

علیٰ کا نور بر نوک سناں ہے

علیٰ ہے ساتی تنیم و کوثر
 علیٰ ہے ہلافتی "لا سیف" والا
 علیٰ کو میں علیٰ کمدوں و لیکن
 علیٰ کے فیض سے لاہور روشن
 علیٰ کا نام ہے کلیر میں صابڑ
 علیٰ خود تشنہ لب تشنہ زباں ہے
 علیٰ لیکن رضا کا پاسباں ہے
 علیٰ بجد سے میں خود بیخ خواں ہے
 علیٰ کے دم سے اجمیری نشاں ہے
 علیٰ سے خسر و شیریں بیاں ہے
 علیٰ کی "لاٹ" ہی قطبی نشاں ہے

| | |
|--------------------------------|--------------------------------|
| علیؑ پاکِ تپن کی جانِ جاں ہے ! | علیؑ خواجہ فرید الدینؒ کی منزل |
| علیؑ تبریز کا سترِ نہاں ہے ! | علیؑ کے نام سے مولائے رومی |
| علیؑ لجمکِ لحمی جسم و جاں ہے ! | علیؑ کا فتوہ ہے فخرِ محمدؐ ، |
| علیؑ وحدت میں اک کثرتِ نہاں ہے | علیؑ ہے کاشفِ رازِ حقیقت |
| علیؑ کا نام ہی حُسنِ سیاں ہے ! | علیؑ ہے شارحِ شانِ نبوت ! |
| علیؑ جب بھی جہاں ہے دُریاں ہے | علیؑ ہے مرکزِ پرکارِ ہستی |
| علیؑ کی ذات، ہی روحِ رواں ہے | علیؑ سے اولیاء کی زندگی ہے |

علیؑ کی یاد ہے واصفِ علیؑ کو
علیؑ خود اس زمین کا آسماں ہے !

لافتی ---

بس رہی بے نضاؤں میں توشبو
پھر کھنکنے لگی ہیں جام و سبزو!
سوزِ دل سے چراغ جلتا ہے
دردِ غربت کدے میں پلتا ہے
اُن کا فیضِ نظر ملا ہے مجھے!
اُن کی شفقت کا آسرا ہے مجھے
اُن کی مدحت مری مجال نہیں
ہے اُنہی کا، مرا کمال نہیں!

اُن کے ساتے سے پیار کرتا ہوں
جان اُن پر نشا رکرتا ہوں
جن کی ہیبت سے سرنگوں اصنام
وہی مولا امام عالی مہتمم
وجہ عرفانِ اولیائے جہاں
زومیں ہیں جن کی لامکان و مکاں
نام جن کا علیؑ اسد اللہ
جن کا چہرہ بنا ہے وجہ اللہ
سوز دساز و سخن علیؑ مولا!
سایہ ذوالمن علیؑ مولا
ردِ رنج و سخن، علیؑ مولا!
زینتِ انجمن، علیؑ مولا
میرے من کی لگن علیؑ مولا!
رازِ خیر شکن، علیؑ مولا!
مہرِ نہاں علیؑ مولا!
بے نشاں رانشاں علیؑ مولا!

رہبرانس و جاں علیؑ مولا

بابِ علمِ رواں علیؑ مولا

فخرِ ختمِ رسال علیؑ مولا

آفتابِ سب علیؑ مولا!

شیرِ یزداں علیؑ ولی اللہ

شاہِ مرداں علیؑ ولی اللہ

لافحی بر ملا، علیؑ حیدر

ساقیِ میکدہ، علیؑ حیدر

میں نگاہِ رسولؐ کے مشبول!

دارتِ دینِ حقِ پناہِ بتولؑ

فیضِ اُن کی نظر سے ملتا ہے

کب ادھر یا ادھر سے ملتا ہے!

میں نے جب بھی انہیں پکارا ہے

اک عدا آئی تو ہمارا ہے!

فیضِ عالم میں منظم شہِ انوار

اُن کے صدف میں ہوگا بیڑا پار

امام حسینؑ

السلام اے نُورِ اول کے نشاں
السلام اے راز دارِ کُن فکاں
السلام اے دانتانِ بے کسی !
السلام اے چارہ سبازِ بکیاں
السلام اے دستِ حقِ باطل شکن
السلام اے تاجدارِ ہرزماں
السلام اے ربِ غیرِ غلیم لدُن !
السلام اے فتحِ نثارِ عارفاں !
السلام اے راحتِ دوشِ بقیّہ !
السلام اے راکبِ نوکِ سناں
السلام اے بو ترابی کی دیسل
السلام اے شاہِ مبارِ لامکاں

السلام اے صاحبِ شہدے آرزو

السلام اے رازدارِ فتدسیاں!

السلام اے ذوالفقارِ حیدری

السلام اے کشتہ تسلیم جاں

السلام اے مستی جامِ نجف!

السلام اے جنبش کون و مکان

السلام اے رازدارِ آنِ مبیں

السلام اے ناطقِ رازِ نہاں!

السلام اے ہم نشینِ ریگِ دشت

السلام اے کج کلاہِ خسرواں!

السلام اے درِّ دینِ مضطرب!

السلام اے مبدنِ علمِ رواں!

السلام اے گوہرِ عینِ علیؑ

دینِ پیغمبر کے عنوانِ حسی

گنج بخش فیضِ عالم !

السلام اے سیدِ ہجویر قطبِ الاولیاء

السلام اے مرکزِ توحید، النوارِ الہ !
سطوتِ علمِ الیقین و شوکتِ دینِ مبسب !

رہبرِ اقلیمِ عرفانِ محمد مصطفیٰ !
اے شہِ بطحی کے نور و کاشفِ رازِ نحفی،

شارحِ شانِ ولایتِ نورِ پیشم مرتضیٰ !
قرنِ اول میں تراخِ صبحِ اول کی نمود

مہر و ماہِ عارفانِ ہمت کے صدرِ العلاء
تو نشانِ عزم و وجدانِ قلوبِ اصالحین

رہبرِ صدق و صفا و منبعِ جود و سخا
گوہرِ نایاب تو ہے موجِ بحرِ نورِ حق !

حقِ پناہ و حقِ نگرِ حق کو حقیقتِ آشنا

خطِ لاہور میں سربستہ رازِ لا الہ

سرزمینِ شوق و مستی میں بہاروں کی فضا

کعبہ گنج شکر گنج ولایت، گنج بخش !
 قبلہ گاہِ خواجہ بہت دالوی روضہ ترا!
 یا علیٰ محمدوم، جویریٰ یہ ہے تیرا کرم
 سرزمینِ پاک میں ہے آج نامِ کبیریا
 اے فقیر و صوفی و سادق و عساکر سلوک
 پاسبانِ سنت و شرع و سجد بے ریا!
 یہ زمیں تیری ہے تیرے چلنے والوں کی ہے
 ابتدا ہے لا الہ الا اس کی یہی ہے انتہا!
 آج پھر ملت کو ہے اندیشہ کم مائیگی !
 آیہ کالتقطو کی شرح، ہو جائے ذرا
 اب ضرورت ہے شرابِ شوق کی اس قوم کو
 جامِ اِلا اللہ کو ساقی ذرا گردش میں لا !
 توڑنا ہے پھر ہمیں گویا طلسمِ سامری !
 گنج بخش فیضِ عالم ہویدر بیضا عطا
 لا الہ ہر دور میں قائم رہے گا با یقین
 ہے یدِ مومن ہی گویا ہاتھ اب اللہ کا !

سرزمینِ پاک پر ہے کرگسوں کا کیوں ہجوم !
 کس کی غفلت سے ہوا طت کا شیرازہ بُدا ؛
 اے ظہورِ صورتِ بے صورتِ آفاتے کل !
 خدمتِ دینِ مُبیس سے فیضِ عالم ہو گیا !
 تو بیانِ کشفِ محبوبِ نشانِ بے نشان ،
 اے شہیدِ حسنِ کاملِ گنجِ بخشِ پیرِ ما !
 آستانِ تیرا ہے گویا اک نشانِ دینِ حق ،
 تیرے در پر جھک گیا جو پا گیا راہِ خدا
 دنی و اجمیر میں گونجی صدائے گنجِ بخشِ
 تیرا فیضانِ نظرِ قطرے کو دریا کر گیا !
 گنجِ بخشِ تری مشہور داتا گنجِ بخش !
 گاہے گاہے یک نگاہے بر فقیرِ بے نوا
 و اصفِ مسکین چہ گوید ایں مقامِ حیرت است
 خواجہ من قسبہ من گفت قولِ حقِ بجا !
 گنجِ بخشِ فیضِ عالمِ مظہرِ نورِ خدا
 ناقصاں را پیرِ کاملِ کاملان را رہِ سنا

خواجہ شہری

خواجہ من کنی پیاس بے دل میں نینوں میں برساتیں ہیں !
 تنہائی کے چپ آنگن میں سردی اُس سے باتیں ہیں !
 خواجہ مرے کا راز نرالا، خواجہ شہری تو رین اُجالا
 درس بنا جگ گھور اندھیرا دن اپنے بھی راتیں میں
 جگت گرد کی آنکھ کا تارا، خواجہ معین الدین ہمارا
 دو لبا ہے اجسیر نگر کا، گھر گھر میں باراتیں ہیں !
 وحدت کثرت عین طریقت، ہر چہرے میں ایک حقیقت
 قطب فرید نظام اور صابر ایک صفت کی ذاتیں ہیں !
 چشت نگر میں بس دن میلے، عشق یہاں محفل میں کھیلے
 آنکھ میں آنسو، لب پہ زراہنے، یہ چشتی سوغاتیں ہیں
 رہنا ہے ہر حال میں راضی، خواجہ نگرے جیون بازی
 خواجہ جی کی جیت ہمیشہ، مجھ پاپن کی ماتیں ہیں !
 آنکھ سے اُدھل دل میں بسیرا من موہن ہے خواجہ میرا
 واصف اس کی پریت نرالی اس کی انوکھی گھاتیں ہیں

خواجہ معین الدین

آفتابِ روتے احمد کی درخشندہ کرن
ماہتابِ کشورِ عرفاں معین الدین حسن
چشتیانِ سرزمینِ پاک کی مستی کا راز
توسراپا جانِ محفلِ توحیدِ شرعیٰ انجمن
خواجہ عثمانِ ہارونی کی چشمِ التفات
دارتِ دینِ محمدؐ نورِ چشمِ بیخ تن!
سُرمۂ چشمِ بصیرت ہے ترے کوچے کی خاک
عینِ عشقِ منصفیٰ ہے پیرِ کامل کی لگن!
سیدِ ہجویرِ قطبِ الاولیاء کا راز داں
شاہبازِ لامکان و جانِ منِ جانانِ من!
تو منافق کے جگر پر ایک ضربِ آخری!
ہند کے ظلمت کدے میں نورِ اول کی کرن
یا معین الدین اجسیری بنامِ گنج بخش،
سوئے ماضی لوٹ جائے گردشِ چرخِ کہن

منزلیں گم ہو گئیں رستے فضا میں کھو گئے
 شامبازوں کے علاقے لے گئے زاغ و زغن
 خون سے اپنے شہیدوں نے کیا جس کو رقم
 پارہ پارہ ہو گیا اس داستاں کا پیرہن
 گل کھلیں گے یا اگیں گے خار دیکھا جائے گا۔
 آنڈھیوں کی زد سے تو محفوظ ہو پہلے عین
 پھر نظام گمستاز ہو گا جنوں دلوں کے پاس
 باندھ کر نکلے گی پوری قوم جب سر سے کفن!
 آگیا ہے لب پہ آخر آج حرفِ مدعا!
 اپنے سرستوں کو خواجہ دیجئے اذن بزن

جانے کس دیوانگی میں ان سے بولیں ہم کلام
 میں کہ واصف ہوں کہ اتے والی شہرِ تین

فرید الدین مسعود گنج شکر

جہد و زہد انبیاء گنج شکر بابا فرید
رہنماتے اولیاء گنج شکر بابا فرید
حضرت خواجہ معین الدین کی آنکھوں کے نور
مہر عرفاں کی ضیاء گنج شکر بابا فرید
اس وطن کا نقش اول "خطہ شہرِ پتن"
رہبروں کا پیشوا گنج شکر بابا فرید
زندگی میں وا ہوا جس کے لیے "بابِ بہشت"
پیکرِ صبر و نسا گنج شکر بابا فرید
جس نے "محبوبِ الہی" کو دیا رنگِ جمال
وہ چراغِ چشتیہ گنج شکر بابا فرید

صاحبِ کلیئر کو اِس در سے ملا رنگِ جلال

مصدرِ بابِ عطا گنجِ شکرِ بابا فرید

کیوں نہ ہو وِ زباںِ واصفِ علی نامِ فریدؒ
گوشہٴ دل پر لکھا گنجِ شکرِ بابا فریدؒ

”چل خستہ گھرا اپنے۔۔۔“

میں ماٹی کی مورتی . ماٹی میرا دیس
ماٹی موری جاتے، میں لاتی سندس
ماٹی بھید اگم کا . ماٹی کی کیا بات
سُندر پھول سے پوچھتیو ماٹی کیسا دیس !
ماٹی میں جل ، اگنی ماٹی پون جھکور
ماٹی ہی من موبنی . ماٹی کرے کلمس
ماٹی ماٹی کھاگتی ، ماٹی مورکھ کوکھ !
ماٹی ، ماٹی جتم دے . ماٹی سو سو بھیس
ماٹی بھولے پریم کو ، جگ کلبجگ بن جائے
ماٹی جگ کا دیس ہے ، جگ اس کا پر دیس
ماٹی کھڑ کھڑ بولتی ، بیتے جگ ہزار
ماٹی لاگی دھڑکنیں ، کھڑ کھڑ بے چو دیس

مائی آئے کوکھ سے، مائی کوکھ بے !

دھرتی ماتا دھرم ہے، مائی کانسدیں

مائی جگ کو موہ کے، جاتے مائی سنگ

”گوری سوتے تیج پہ، مکھ پر ڈالے کیس!“

خسرو کا کر آتما، واصف گر کی بات

امر کرے پر ماتما، مائی دس بدینا!

”کلیم بودری“

المحذرا از حُبِّ ذی المحذر

یہ جہاں منزل نہیں ہے بگذر

خوبصورت ہے جہاں رنگِ دُبو

کارواں سے ہی بھڑ جائے نہ تو

کتنے دُراو سکتا در کھو گئے

مں گئے مٹی میں مٹی ہو گئے !

یہ جہاں فانی، فنا کو ہے قیام

اس جہاں میں کس کو حاصل ہے دوام

دُوب جاتے ہیں تارے، ماہتاب

آفتاب آمدِ دلیلِ آفتاب

شورِ فانی ہے مگر باقی سکوت

یہ نفس ہے ایک تارِ عنکبوت !

زندگانی موت کی تصویر ہے !

ہر تمنا پاؤں کی زنجیر ہے

موت سے ممکن نہیں ہرگز مفر
نستی، مستی میں دونوں ہمسفر
کس لیے ہیں آرزو کے سلسلے
سوچ تہائی میں گرفتار
کیا رہے گا تو سدا اس جا میں
کیا نہ جائے گا کبھی زیرِ زمیں !
بے کہاں بچپن ترا ماضی کہاں !
اب کہاں چہرے پہ باقی سُرخیاں
تو مسافر ہے مسافر بن کے چل
وقت کے دشوار رستے میں سنبھل
گلشنِ مستی میں آبیگانہ وار
دیکھتا جا ان بہاروں کا نکھار
لاکھ مرغانِ چمن، ہوں نغمہ زن
صوت کے جادو میں کھو جاتے نہ من
دیکھ چھپکے سے خستہ آؤں کا ظلم
دیکھ بن کر ایک آئینے کا جسم

شب چراغ

برق میں تنکے ہیں یا تنکوں میں برق

موت و ہستی میں ہے بس اتنا ہی فرق

خزینِ مستی پہ رکھ اپنی نگاہ!

اک شرر کافی ہے کرنے کو تباہ!

تجھ کو جانا ہے جہاں آباء گئے

جانے والے سب یہی فرما گئے!

تُو نے دیکھے ہیں جنازے بے شمار

تُو نے کیا دیکھا نہیں اپنا مزار

تجھ کو ہنگاموں سے فرصت بھی ملے

غور فرمانے کی مہلت بھی ملے!

ہار پہنائے کوئی تجھ کو اگر!

جھوم جاتے ہیں ترے قلب و نظر

جھوٹ ہے تُو صاحبِ عرفان ہے

اے سگِ دنیا یہی بہتان ہے

زر پرستی، زرفشانی، زرگری!

فقر کو سمجھا ہے تُو سوداگری!

تیری شہرت کے لیے بے بندگی
زندگی کے بعد بھی شرمندگی

تو فقط بے بندۂ حرص و ہوا

بے خبر تو فتنہ کو سمجھا ہے کیا

غم نہیں غم میں وہ ہے بے آرزو

فقر کی منزل مسلسل جستجو!

ہاں مگر وہ جستجو کچھ اور ہے

طالبِ مولیٰ کا اپنا طور ہے

اپنی منزل آپ جو طے کر گیا

وہ یہاں مرنے سے پہلے مر گیا!

حُبِ دُنیا ہے تمنائے یزید!

طالبِ دُنیا کینہ سگ پیدا!

فقر کیا ہے فکرِ دُنیا سے نجات

فکرِ عقبیٰ فتنہ کا رازِ حیات

فقر ہے "الفقر فخری" بالیقین

فقر کے دامن میں مال و زر نہیں

شب چراغ

فقر اور اندیشہ سود و زیاں؟

اک حسین چہرے پر چیچک کے نشاں؟

فقر ہے بے تابی قلبِ حزیں

فقر اشکوں کے سوا کچھ بھی نہیں

فقر ہے نانِ جویں کی داستاں

زر پرستی فقر کی حامل کہاں

فقر تاریکی میں ہے روشن دیا

”فقر کی آواز ہے بانگِ درا“

فقر کا جامہ گلیم بوذری۔

فقر کے بازو میں زورِ حمیّدری

فقر قرنی، فقر جانی، فقر روم

فرش کیا ہے عرش پر ہے اسکی دھوم

فقر کے لب پر صدائے لا الہ

اندلس ہو، سندھ ہو، یا کربلا

فقر کی مستی کا عالم نسیم شب

حق سے بندے کو ملانے کا سبب

فقر کیا ہے ایک مردِ دیدہ ور
ہر زمان و ہر جہاں سے باخبر
فقرِ اِلَّا اللہ کی تفسیر ہے
فقر کیا ہے بجدۃ شتیر ہے
فقر ہے چاکِ گریبانِ حیات!
فقر ہی ہے موجِ بحرِ اسمِ ذات
فقر کے دم سے ہے قائمِ انجمن
فقر کے در پہ نگوں چرخِ کہن
فقر جبہ میں ہے دستار میں!
یہ دکانوں پر ہے نے بازار میں
فقر ملتا ہے نہ جاہ و مال سے
فقر ملتا ہے نبی کی آل سے!

فقر مل جائے جسے وہ ہے ولی!
کون سمجھائے تجھے واصف علی

مے شوق

تری شان بو ترابی، میرا ذوق خاک بازی
ترے آساں پہ لاتے مجھے تیری دل نوازی !
میں نکل گیا خود سے میں جنونِ باخبر ہوں،
میری زد میں لامکاں بے میرا کام شاہبازی
تُو ہے ساقیِ زمانہ میں ہوں رندِ جادو انہ
ہو عطا، متے شبانہ، کہ جھکے ترا نمازی !
ترے نقشِ پا کا سجدہ میری بندگی کا حاصل
اسی بندگی سے رومی، اسی بندگی سے رازی

تیری یاد کا ولی ہوں کہ میں واصفِ علی ہوں !
نہ خفی ہوں نے جلی ہوں میں ہوں حرفِ بے نیازی

طائر لاہوتی

میں نعرہ مستانہ، میں شوخی زندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں، پی کبھی کہاں جانا
میں طائر لاہوتی، میں جو سبر ملکوتی!
ناسوتی نے کب مجھ کو اس حال میں پہچانا!
میں سوزِ محبت ہوں میں ایک قیامت ہوں
میں اشکِ ندامت ہوں میں گوہرِ کیدانہ
کس یاد کا صحرا ہوں کس چشم کا دریا ہوں
خود طور کا جلوہ ہوں بے شکل کلیمانہ!
میں شمعِ فردزاں ہوں میں آتشِ لرزاں ہوں
میں سوزِ شِ بجا ہوں میں منزلِ پروانہ
میں حُسنِ مجسم ہوں میں گیسوئے برہم ہوں
میں پھول ہوں شبنم ہوں میں جلوۂ جانانہ
میں اصفِ سبیل ہوں میں رنقِ محفل ہوں
اک ٹوٹا ہوا دل ہوں میں شہر میں ویرانہ

زندگی

زندگی اپنے لہو کا نام ہے
زندگی بے لذتِ سوزِ دوام،
زندگی اک آرزو تے خام ہے
زندگی حسرتِ بھری فریاد ہے
اشکباری زندگی کا مشغلہ
پی رہی ہے زندگی اپنا لہو
سوزشِ دردِ جگر ہے زندگی
اعستبارِ آرزو کا نام ہے
زندگی بر حال میں ہے تشنہ کام
زندگی زندہ برائے نام ہے
زندگی گویا کسی کی یاد ہے!
ہر قدم پر زندگی اک مرحلہ
نوٹتی ہے آپ اپنی آبرو!
ایک خوابیدہ عہد ہے زندگی

گویا رسوائی سر بازار ہے !
 زندگی ہے آپ اپنا ناخدا
 زندگی پانی میں زندہ آگ ہے
 پر خطر اک رہگزر ہے زندگی
 زندگی ٹوٹا ہوا اک دل بھی ہے
 جانے والوں کا نہ آنا زندگی !
 فکر میں ڈوبی ہوئی اک شام ہے
 زندگی گرتی ہوئی دیوار ہے !
 "حسرتاوا حسرتاوا حسرتا"
 زندگی خاموش غم کا نام ہے
 بے تیراری زندگی کا ہے قرار
 زندگی ہے پھولنے پھلنے کا نام
 ورنہ ہے ذوق تماشا زندگی
 ورنہ مرگ ناگہاں ہے زندگی !
 ہے کبھی جشن بہاراں زندگی
 زندگی آتش بھی ہے گلزار بھی

زندگی اک ادنیٰ پر خسار ہے
 زندگی ہے ایک گرد و آبِ بلا
 زندگی ہی زندگی کا ناگ ہے
 اک مسافر کا سفر ہے زندگی
 زندگی بھولی ہوئی منزل بھی ہے
 زندگی کا ہر فسانہ زندگی !
 زندگی خود شائے الہام ہے
 زندگی فنکار ہی معمور ہے
 دے رہی ہے زندگی ہر دم صدا
 زندگی آنکھوں کے غم کا نام ہے
 زندگی ہے ایک گونہ انتظار
 زندگی ہے آگ میں جلنے کا نام
 ہاتھ سے جاتے تو لاشہ زندگی ،
 دل جواں ہو تو جواں ہے زندگی
 ہے خم زلف نگاراں زندگی !
 زندگی دیکھ بھی ہے مہار بھی

گاہ ہستی ربرو افلاک ہے
 زندگی ہے اک تبسم زیر لب
 زندگی اتوال بھی احوال بھی !
 زندگی کی ضرب ہے ضربِ کلیم
 زندگی ہے ایک بھر بے کراں،
 زندگی ہے اک پریشان اتاں
 ہے کبھی یہ ایک حرفِ آرزو
 گردشِ شام و سحر ہے زندگی
 زندگی کے زمزمے میں چار سو
 زندگی غریانی اجسام . بھی !
 نقشِ فریادی بھی ہے تصویر بھی
 زندگی کیا ہے سہانا خواب ہے
 آنسوؤں کی ایک مالا زندگی !
 تم بھی جائے تو رواں ہے زندگی
 ہے کبھی تسلیم کی خو زندگی !
 زندگی ہے کشتہ تیغِ ستم !
 گاہ یہ خاموش زیرِ خال ہے
 زندگی شمعِ فروزاں یہ سم شب
 زندگی آئینہٴ جمال بھی !
 زندگی گاہ ہے کھد کلبے کلیم !
 یہ کبھی صحرا کبھی کوہِ گراں
 کوئی حصہ ہے یہاں کوئی دباں
 ہے کبھی یہ بے نیاز جستجو
 ایک سیمابِ نگر ہے زندگی !
 زندگی ہے گردشِ جام و سبو
 زندگی ہے گردشِ ایام بھی !
 زندگی ہے شوخیِ محسوس بھی
 زندگی اک گوہرِ نایاب ہے
 چاند سے چہرے کا ہالا زندگی !
 داستانِ کمن نکاں ہے زندگی
 ہے کبھی "ہیں" اور کبھی "تو" زندگی
 یوں بھی ہے ہستی کا اندازِ کرہ

تحت پر بھی سسکیاں بھرتی ہے یہ
زندگی افسانہٴ قدرت بھی ہے
زندگی نے خود کو بھلا یا بھی ہے
حسن ہے، حسنِ ادا ہے زندگی
موہنی سی ایک صورت زندگی
زندگی ہے ایک زلفِ عنبریں
زندگی بے نامِ ساد فن بھی ہے
ہے کبھی تند اور کبھی نرم زندگی
زندگی ہے مہ جبینوں کے لیے
مے کدے میں اک سہانی شام بھی
مر مرے باہوں میں اک سیما بھی
دم بخود ہوتی ہے یہ بے جاں کبھی!
زندگی مشتوق ہر جاتی بھی ہے!
زندگی کا فعل غم پوشی بھی ہے
یہ زمینِ منتِ درباں بھی ہے
زندگی بھر دل کبھی مرتا نہیں

منطقی میں بھی گزر کرتی ہے یہ
زندگی محبوب کی قرابت بھی ہے
گیسوتے خم دار کا سایہ بھی ہے
ایک شوخی ہے جیسا ہے زندگی
کامنٹی سی ایک صورت زندگی
زندگی ہے ایک چشمِ سرگین
زندگی سہمی ہوتی دہن بھی ہے
ہے نوازش ہائے موسم زندگی
جگمگاتے آگینوں کے لیے
زندگی ہے موردِ الزام بھی!
زندگی ہے زخمہ و مضراب بھی
رقص کرتی ہے سرِ مرثگان کبھی
اک تماشا ہے تماشائی بھی ہے
زندگی کا شغل مے نوشی بھی ہے
زندگی نیشِ زندگی دوراں بھی ہے
کاسہ ہستی کبھی بھرتا نہیں!

ایک پل میں بھی سنبھل جاتی ہے یہ
 دامن بستی کیا کس نے رفو؟
 زندگی آنکھوں میں خوں کا نام ہے
 زندگی کے درمیاں ہے زندگی
 زندگی ہے آیہ لایحزنوں!
 یہ تئین حاصل ابہام ہے!
 زندہ رہنے کے لیے مرتی ہے یہ
 درنہ محشر سے یہ ہستی کم نہیں!
 کر رہی ہے زندگی کچھ تجربات
 زندگی کیا ہے سراپا راز ہے!
 جیسے فن میں صاحب فن کا لہو
 راز افشانی اسے بھاتی نہیں
 زندگی رستا ہوا ناشور ہے!
 زندگی ہے خود چراغ زندگی
 زندگی خود زندگی سے دور ہے
 خود مسیحا، خود بلائے جان بھی!

ٹھو کریں کھا کر بدل جاتی ہے یہ
 زندگی ہے چاک ہو جانے کی خو
 زندگی اپنے جنوں کا نام ہے
 موجہ آبِ رواں ہے زندگی
 زندگی کیا ہے بجز سوزِ دروں
 زندگی ذوقِ فنا کا نام ہے!
 لاکھ حیلوں سے گزر کرتی ہے یہ
 موت مل جاتے تو کوئی غم نہیں
 نامکمل ہے ابھی تک کائنات
 ساز کے سینے میں اک آواز ہے
 زندگی گل میں مثالِ رنگِ بو
 زندگی الفاظ میں آتی نہیں
 اپنی آزادی میں یہ مجسبو ہے
 کس نے پایا ہے سراغِ زندگی
 فلسفی کبھی نہیں مجبور ہے
 زندگی ساحل بھی ہے طوفان بھی

ہاں مگر یہ زندگی انعم ہے
 زندگی ہے سنگِ در کی آرزو
 زندگی ہے منہ پر طیلِ الہ!
 زندگی کا مدعا دیدہ وری
 زندگی روشن جبین کا نام ہے
 زندگی ہے واجبِ ہمد احترام
 خالقِ مطلق کا اپنا کام ہے!
 خوب ہے خوب تر کی جستجو
 زندگی کا راز ہے کرب و بلا
 زندگی کی موت ہے سوداگری
 زندگی پختہ یعنیتیں کا نام ہے
 زندگی ہے انقلابِ صبح و شام

یار کے دم سے سلامت زندگی!

ورنہ و اصف ہے قیامت زندگی

کاروانِ حیات

کاروانِ زندگی پیہم رواں ہے صبح و شام
اس فنا کے دیں میں حاصل ہوا کس کو قیام
پھول جو کھلتا ہے وہ اک دن یہاں مر جاتے گا
یہ سہرائے فانی بے جو آتے گا وہ جاتے گا
اپنی اپنی منزلوں پر ہیں ستارے گامزن !
صبح دم خاموش ہو جاتی ہے ساری انجمن
رات کے دامن سے الگتا ہے نورِ آفتاب
شام پہنانے چلی آتی ہے سورج کو نقاب !

جنگلاتی صبح کی تفتدیر کالی شام ہے
 زندگی کی دھڑکنوں کا موت ہی انجام ہے
 لکھنے والے نے لکھا، سستی کی قسمت میں زوال
 ہاں مگر باقی رہے گی ذاتِ ربِّ ذوالجلال !
 مردِ کامل ہے وہی جو منزلیں طے کر گیا
 زندگی انس کی ہے جو مرنے سے پہلے مر گیا
 موت کیا ہے حق سے ہندے کو ملانے کا سبب
 موت سے ڈرتے نہیں جو جاگتے ہیں نیم شب
 پیر پیغمبر، ولی، درویش، مردانِ خُدا
 موت کی وادی سے گزرے ہیں بہ تسلیم و رضا
 زندگی اور موت ہے اپنی خدا کے واسطے
 مردِ مومن ہے فقط صبر و رضا کے واسطے
 سانس کی آری سے کٹ جاتا ہے، مستی کا شجر
 زندگی میں موت سے ممکن نہیں برگز مفر
 حشر برپا ہیں کئی اک جذبہٴ خاموش میں !
 زندگی سوتی ہے آخر موت کی آغوش میں

روزِ اول سے یہی ہے زندگی کا سلسلہ،
موت کیا ہے زندگی کا آخری اک مرحلہ!
برق میں تشکے ہیں و اصفیٰ ما کہ ہے تشکون میں برق
موت اور، مستی میں کیا سمجھے کوئی انسان فرق!

نوائے راز

شب انتظار کی بات ہوں غمِ بزمِ راز کی بات ہوں
 کسی رازدار کی بات ہوں بڑے افتخار کی بات ہوں
 کبھی شک ہوں کبھی خار ہوں میں کبھی جنون بہار ہوں
 تری حسرتوں کا مزار ہوں، تھے رگزار کی بات ہوں!
 ہوں کسی کی دید کی آرزو، اسی آرزو سے ہے آبرو!
 ہے ازل سے ایک ہی جستجو میں کسی کے پیار کی بات ہوں
 میں کسی کی زلف کا ناز ہوں، کسی غزنوی کا ایاز ہوں،
 کسی میکدے کا میں راز ہوں، کہ نگاہِ یار کی بات ہوں!
 میں صدائے روزِ السبت ہوں، میں اسی خماریں مست ہوں
 نہ بلند ہوں نہ میں پست ہوں، کہ دفا شعار کی بات ہوں!

میں غرورِ عشق کی لاش ہوں، تیرے سنگِ در کی تلاش ہوں
 میں دل و جگر کی خراش ہوں، کہ میں نوکِ خار کی بات ہوں
 تو ہی بے نشاں کا نشان ہے، تو ہی ماورائے گمان ہے۔
 مجھے تیری ذات پہ مان ہے، میں نفس کے تار کی بات ہوں
 تو ہی برقِ حسنِ جمال ہے، میرے اشیاء کا آل ہے
 یہ فراقِ عینِ دصال ہے، میں حمین کے بار کی بات ہوں
 میں کسی کا حسنِ خیال ہوں، کہ مصوری کا کمال ہوں
 میں کسی نظر کا جمال ہوں، کسی برقرار کی بات ہوں!
 میں 'نہاں' کبھی ہوں شہود میں میں نہ بست میں ہوں نہ بود میں
 میں رکوع میں نہ سجود میں، دل بے قرار کی بات ہوں
 کبھی نقشِ پایہ گرا ہوں میں، کبھی منزلوں سے درا ہوں میں
 کبھی اک صدائے درا ہوں میں، کسی اشکبار کی بات ہوں
 میں جھکوں تو دنیا ہو سرنگوں، میں اٹھوں تو اٹھتی ہے موجِ جنوں
 میں خرد کے بھیس میں ہوں جنوں، کہ میں رقصِ دار کی بات ہوں
 میری ایک آہ کے منتظر، کھڑے بے کسی میں ہیں بام و در
 سرِ شام چاہوں تو ہو سحر، میں فلک سوار کی بات ہوں!

میرا نام زینتِ داستاں، میں کسی کے حُسن کا پاسبان
 میں کسی کی بزم کا ہوں نشاں، میں دیارِ یار کی بات ہوں
 میں جلاؤں دیپ قدم قدم، میرا سر جھکائے جنم جنم !
 میں صنم پرست کبھی صنم، کسی یارِ غار کی بات ہوں
 میں فنا کی راہ سے دور ہوں میں بقائے شوق ضرور ہوں
 میں مے فراق سے چور ہوں، میں بڑے خماری کی بات ہوں
 میں کہ شاہبازِ قدیم ہوں، میں نشانِ عنزمِ صمیم ہوں !
 میں شہیدِ جلوۂ مہم ہوں، کسی ریگِ زار کی بات ہوں !
 میں خیر کے دام کا دام ہوں، میں خرد کدے کا امام ہوں
 میں علیؑ دلی کا غلام ہوں اسی تاجدار کی بات ہوں
 میرا نام داسفِ باصفا — میرا پیرِ سید مرتضیٰ
 میرا درد احمدِ مجتبیٰ میں سدا بہار کی بات ہوں

بندہ و بندہ نواز

بنا چار تنکوں کا آشیاں کہ تڑپ تڑپ اٹھیں بیاں
تیری شانِ بندہ نواز کو، میں سمجھ گیا میرے مہرباں
تیرے جلوہ ہائے قدیم کو مرے دل سے ہے بڑا واسطہ
میں ترا خیال نہیں اگر تو کہاں اَلت بلی کہاں
میں تری نماز ادا کروں، تو ہو محو ذکرِ حبیب میں
مجھے مل گئیں تیری نکھتیں، مجھے مل گیا تیرا آساں
تیرا وصل میں فراق ہے، تیرا، بحرِ عین وصال ہے
تیری راہ میں جو نکل پڑے تو مٹا خیالِ حنہیں چناں

میں ہوں ایک جذبہ بیکراں، میرے پاس رہتی ہیں بجلیاں
 تیرا ایک نشیمن ذات کیا، میں جلاؤں دہر کا ہر نشان
 مرے جلوہ ہائے قدیم کو ترے دل سے بے یہی واسطہ
 کہ میں خود السبت میں خود بلی، کہ جب میں مری مرا آستان
 میں نہاں ہوں اپنی ہی ذات میں، میں عیاں ہوں اپنی صفائیں
 میں نہاں کو گاہے عیاں کروں، میں عیاں کو گاہے کروں مہناں
 جسے چاہوں تخت عطا کروں، جسے چاہوں بخت رسا کروں
 جسے چاہوں مست دلا کروں، میرا اذن آئیہ کن نکاں!
 میں ہوں دل، میں دلبر و دلبری، مری ہر ادا میں ہے سردی
 میں نہ چشتی ہوں نہ میں قادری، کہ میں ہر جگہ ہوں نہیں کہاں
 میری شان عالی مقام ہے، مرے میکدے کو دوام ہے
 کہ ہر ایک رند غلام ہے، میری عظمتوں کے ہیں یہ نشاں!
 میں فلک پہ رکھتا ہوں لامکاں، بے زمیں پہ کعبہ ہر امکاں
 میں بشر کے دل میں ہوں ہرزماں، بے نشاں یہی میرا جلوہاں
 میں نہ طور ہوں نہ کلیم ہوں، میں تو ایک رازت قدیم ہوں
 میں جہاں میں جلوۂ مہم ہوں، کہ میں اپنے نور کا پاسباں

مرے شرق، غرب، جنوب سب، ہوتے زیرِ سستی یک قطب
میں حدود میں ہوں نہ اب نہ جب، ہے درائے عقل مرا جہاں
میں علیم ہوں میں بصیر ہوں، میں معین ہوں میں نصیر ہوں
میں چھپوں کہاں کہ خبیر ہوں، ہے نظام میرا ہی الاماں!
ہیں صنم مرے میں صنم شکن، ہے صنم کی مجھ کو بڑی لگن!
میرا بانگین ہے مری پھین، میں ہری ہری نہ میں ست گراں
میں نماز شاہ شہید ہوں، میں اسی کا حاصل دید ہوں،
میں نگارِ حسنِ منسُید ہوں، میں ادائے مست قلندراں
میں بقائے خود میں بقا ہوا، کہ میں نورِ ارض و سما ہوا
میں ہی ستر ہر دوسرا ہوا، میرا راز جانے گا تو کہاں!

تو کہاں ہے واصفِ بے خبر، مرے در پہ ٹھکتے ہیں بحر و بر!
بے بڑی کٹھن مری رہنڈر، تو کسبھل کے رکھنا قدم یہاں

یومِ شوکتِ اسلام

اے خوشایومِ شوکتِ اسلام
مرحبا کاروانِ جوشِ دوام!
انبساطِ جنوں ہے مرگِ خرد
رہبرِ شوق کو بقائے دوام!
موجِ ایساں تڑپ تڑپ اٹھی
فرش تو فرشِ عرشِ زیرِ دام!
قصرِ عمر پہ ہے یہ ضربِ کلیم
لا الہ کی صدا درود و سلام
تخیرِ امت کی عظمتوں کی قسم!
حق و باطل میں اختلاطِ حرام

شب چراغ

دینِ تسیم میں ٹاٹ کا پیوند؟
خام اذہان کا خیمہ خالی خام!
آج گونجے فضاؤں میں تکبیر
منہ کے بل آگریں نئے اصنام
نظر دیا تی حدود پر حمد؟
جارجیت کا ہے یہی اِستدام
بجاہدوا فی سبیلِ رَبِّ عَلٰی
رَبِّ کعبہ کا دین ہے اسلام
گامزن ہو گیا سوادِ عظیم
منزلِ شوق خود کرے گی سلام
جوشِ پیہم لغتین مستحکم
لِلّٰهِ الْحَمْدُ آج ہے ہر گام
فتحِ اسلام کی بشارت ہے
سُنْ صَدَائِے شُکُوتِ شِیْثَہِ وَجَامِ
فخرِ انسانیت ہے: دینِ نبیؐ
اور، ہم ڈھونڈنے چلے ہیں نظام

جان دے کر ملی ہے آزادی!

کون ہے اشتراکیت کا غلام

دین دے کر جو دولتِ دنیا

مل بھی جاتے اگر مرے کس کام

ملتِ محترم کی شوکت سے

ہے عیاں آج شوکتِ اسلام

منفعل ہو گئی حسرتِ وادِ صفا!

منتہج ہو گیا ہے عزمِ عوام!

وطن کا مجاہد

السلام اے عظمتِ شانِ وطن!
السلام اے وارثِ دینِ گمن!
السلام اے شاہِ بازِ آسماں!
السلام اے لرزہ زاغ و زغن!
السلام اے بازوئے مولا علیؑ،
السلام اے دستِ حق، باطل شکن
السلام اے مستیِ ذوقِ یقین
السلام اے قوتِ شاہِ زمن!
السلام اے پاسبانِ حریت
السلام اے نکتہ دانِ بیتِ شکن
السلام اے دینِ یزداں کے امین
السلام اے انفعالِ ابرمن!
السلام اے نعرہٴ اللہ ہو
السلام اے نورِ ایماں کی کرن

السلام اے جذبہ ذوقِ جہاد
السلام اے غازی دنیاں شکن
السلام اے شعلۃ القارِعَمَہ
السلام اے طاقتِ خیر شکن
السلام اے سرفروشِ دُسرِ خرو
السلام اے سرنِ رازی کئی لگن!
السلام اے آبِ شیرِ علی!
السلام اے جاں نثارِ پنجتن
السلام اے پاک دامانوں کی آن
السلام اے خون آلودہ کفن!
السلام اے امتیازِ خیر و شر!
السلام اے حق کے ماتھے کی شکن
السلام اے مدعاۃ کلا اللہ،
السلام اے جانِ منِ جانانِ من!
السلام اے قلبِ مومن کے جلال
کیوں نہ ہو واصلتِ تر اسارا وطن!

میں کون ہوں بادل ہوں

میں مجھوم کے اٹھتا ہوں
تڑپتا ہوں کہ گر جا ہوں
برکھیت پہ برسا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

بے زلف گھٹا میری
بے برق ادا میری
مستی ہے درا میری

میں کون ہوں بادل ہوں

میں دُور سے آیا ہوں
میں دہر پہ چھایا ہوں
رحمان کا سایا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

میں پی کے سمندر کو
لے آیا ہوں گوہر کو
سمٹے ہوئے جوہر کو

میں کون ہوں بادل ہوں!

میں حاملِ مستی ہوں

میں باعثِ ہستی ہوں

افلاک کی بستی ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں!

میں جامِ ہوں میں ساتی

فانی ہوں نہ میں باقی

منزلِ مری آفتی

میں کون ہوں بادل ہوں

پھیلوں تو قیامت ہوں

سمٹوں تو ندامت ہوں

میں سوزِ محبت ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

شب چراغ

پھولوں کی قبا مجھ سے
میں اُس سے صبا مجھ سے
ہو پوچھتے کیا مجھ سے
میں کون ہوں بادل ہوں!

سرمہ کی ادا لایا—!
منصور کا دل پایا!
سرمایہ گراں مایا!
میں کون ہوں بادل ہوں!

گہ غش نشیں ہونا
گہ زیرِ زمیں ہونا
ہونا بے کہیں ہونا
میں کون ہوں بادل ہوں!

ہر سمت کو جاتا ہوں
ہر رنگ میں آتا ہوں
روتا ہوں روتا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

مستی میں اگر آؤں !
میخانے بساجاؤں
خود رو کے رُلا جاؤں
میں کون ہوں بادل ہوں

طوفان ہوں حمل ہوں
رستہ ہوں کہ منزل ہوں
میں داصفِ بادل ہوں
میں کون ہوں بادل ہوں

مُساوَر

فردزاں انجمن سے جا رہا ہوں
شبِ تاریک سے گھبرا رہا ہوں
مجھے اک سانس نے گل کر دیا ہے
میں طوفانوں میں بھی جلتا رہا ہوں
ادھوری داستانِ زندگی کو!
سکوتِ مرگ میں دُہرا رہا ہوں
بدن کی چار دیواری کے اندر،
میں اپنی روح چنوا تا رہا ہوں!
ہر اک انسان سے تھا پیار مجھ کو
میں ہر انسان سے ڈرتا رہا ہوں
جہاں پتھر بستے تھے وہاں بھی،
مثالِ آئینہ رہتا رہا ہوں!
میں دریا کی جواں موجوں کے اندر
نہ پوچھو کس قدر پیسا رہا ہوں

بزرگِ قطرہِ شبِ بنم گلوں پر !
کمالِ ضبط سے ٹھہرا رہا ہوں !
نگاہوں کے چھلکتے ساغزوں کو ،
میں اک دیوانگی کتار رہا ہوں !
چمن کی بے زباں کلیوں کے دل میں
میں دھڑکن کی طرح سہارا ہوں ،
گلوں کے چاک بھی دیکھے ہیں میں نے
پس کمانوں سے بھی وابستہ رہا ہوں !
بچا کرتی تھیں جو رستے میں میرے
میں ان نظروں سے بھی گرتا رہا ہوں
جفا پر دور رسوں سے ہمیشہ ،
دفل کے تذکرے سننا رہا ہوں
میں ہر ہمراہ سے دامن بچا کر !
کیلے راستہ چلتا رہا ہوں !
سفر درمیش تھا صحرا کا مجھ کو ،
میں اپنے سائے سے بچتا رہا ہوں

نگاہوں کی صدا میں بھی سُنی ہیں،
دلوں کا حال بھی پاتا رہا ہوں
مجھے سورج سے بھی نسبت ہی ہے
میں کرنوں کی طرح بکھرا رہا ہوں
فلک سے ٹوٹنے والے تارے
میں خاکِ راہ سے چنتا رہا ہوں
کسی غم کا بنا ہوں میں نوالہ!
کسی غم کو میں خود کھاتا رہا ہوں
جنہیں میں نے کبھی اپنا نہ سمجھا،
انہیں میں یاد بھی کرتا رہا ہوں!
سبب پوچھو نہ اس بیگانگی کا!
نہ پوچھو کس لیے تنہا رہا ہوں
مجھے فطرت نے بخشتی چشمِ بیا،
میں رنگوں کی صدا سُنتا رہا ہوں!
کسی دل کی بجھا کر آگِ واصف!
میں اپنی آگ میں جلتا رہا ہوں!

راتیں

جناد کا تصور رات سے خاکہ

شرح و تلیل ہیں گیسوے معنبر راتیں،
نصرتِ دینِ محمدؐ کی پیمبر راتیں
ایسی راتوں میں بنا کرتی بے تاریخی اُمم
لا الہ گمہ کے ابھرتی ہیں اُفتق پر راتیں
ایسی راتوں کے اندھیروں کو اُجالوں کا سلام
نورِ ایمان و یقین سے ہیں منور راتیں!
ایسی راتوں میں چلا کرتی بے شمشیرِ علیؑ
خونِ کُفتاز سے تر ہوتی ہیں خود سر راتیں
ایسی راتوں میں ملا کرتا بے منزل کا سلام
شبِ اسریٰ کی قسم دن سے ہیں بہتر راتیں
ایسی راتوں میں شیاطین کے سر کٹتے ہیں
صفِ اعداء کو الٹ دیتی ہیں خنجر راتیں

پیڑ چپ چاپ، مکاں بند، فضا میں ساکت
ہار سناٹوں نے گوندھے میں پرو کر راتیں
موج حیرت ہے فلک اور زمیں ہے خاموش
خرمنِ کفر پہ اُتری ہیں یہ آسگر راتیں
ایک مدت سے نگہ ڈھونڈ رہی تھی ان کو
آج آتی ہیں بہت دُور سے چل کر راتیں
ایسی راتوں میں قریبِ رگِ جاں ہے کوئی
شانہ دل پہ پریشاں ہیں بکھر کر راتیں
صف شکن شیر جوانوں کی جوانی کی قسم،
دیکھنے آتی ہیں سلام کا شکر راتیں
ذرے ذرے کے جگر سے یہ صدا آتی ہے
اوڑھ کر آتی ہیں تطہیر کی چادر راتیں!
جامِ دمیںنا لیے آتی ہیں شہیدوں کے لیے
متے خونناب کے پردے میں ہیں کوثر راتیں
میرے شہباز مجاہد میرے جانباز جواں،
مُکراتی ہیں ترے دیکھ کے تیور راتیں!

تو اکیلا نہیں میدان میں بیدار کہ آج
ہم بھی کرتے ہیں بسر پھینک کے بستر راتیں
باعثِ شکر کہ افلاک سے چل کر آتیں !
اپنے بازو میں لیے قوتِ حیدر راتیں
یا علیؑ کہہ کے جھپٹنا بے صفِ اعدا پر !
کاٹنے آئی ہیں کُفتار کے شہر راتیں ،
حشر تک یاد کرے گا انہیں کافر دشمن
اپنے پہلو میں لیے بیٹھی ہیں محشر راتیں !
صبح لاتے گی ابھی فتحِ مبسبیں کا مُرزدہ
آئی ہیں نور پہ ہونے کو نچھاور راتیں !
چشمِ بینا سے ٹپکتے ہیں جو آنسو و اصف
انہی اشکوں کو بنا جاتی ہیں گوہر راتیں !

”جنوں و خرد“

خرد کا اصل یہی ہے کہ ہے رب سید و لعین
جنوں کا اصل ہے مشکل کشا. امیر و معین
جنوں کہے نہ انا الحق تو پھر جنوں کیسا !
خرد یزید جنوں سید امام مہسین
”خرد کے پاس خبر کے سوا نہیں کچھ اور“
جنوں مگر ہے. دو عالم کا راز دار و امین

خودِ حدوث میں پابند، حادث و فانی
 جنوںِ قدیم ہے قائم ہے صورتِ نسیم
 خود کے پاس ہے انبساطِ دولتِ دنیا
 جنوں کے پاس فقط آہ و نالہ، نانِ جوئی
 خود کا زورِ جماعت کے دست و بازو پر
 جنوں کے پاس بڑا راز ہے کہ خاک نشین
 خود کے دل میں ہے کھٹکا غریب ہونے کا
 جنوں کو درڈ کی دولت سے مل گئی تسکین
 خود بتاتے کہ کعبہ ہے کس لیے عزمِ پوش
 جنوں بتاتے کہ ہے کون اس مکان کا مکین
 خود نہ جانے کہ کعبہ ہے خود امامِ جہاں !
 جنوں کی راہِ سیاہ پوش ہے عزمِ مسکین
 خود ہے متاثر اصلاحِ مائلِ ترمیم
 جنوں کو خبر ہے کہ اس کو نہ کیجئے تاقین
 خود ہوتی ہے پریشاں کہ آگ روشن ہے
 جنوں تسلیل ہے بارِ دہ سلاہتی پہ یقین

خرد نے پایا ہے تسخیرِ کائنات کا راز،
جنوں بلند، فساد بقا بھی زیرِ نگیں!
خرد خلاؤں کو بے آسِ چل پڑی لیکن،
جنوں کے پاؤں کے نیچے ہے جوہرِ تسکین
خرد کو رازِ انا الحق سے پہرہ ہی جواز
جنوں یسبوحِ اللہ کے راز کا ہے امیں
خرد کے لب پہ تہ ہے لا الہ الا اللہ!
جنوں یہ کہتا ہے دل اس کا ہم زبان نہیں
خرد کا جامہ ہے رنگین اور قبا عالی،
جنوں کے جسم پہ کاغذ کا پیرہن بھی نہیں
خرد کی بات نہ تھی جب ملا وطنِ مہم کو
جنوں ہوا تھا ہما جس وطن سے دُور کہیں
خرد کی چال تھی تقسیمِ خون کی گویا!
جنوں تھا جذبہ ایشار میں سراپا یقین
خرد نے قافلے کوٹے تو بن گئی تارِ بنخ
جنوں کا حرفِ تکابیت بھی ہم کو یاد نہیں

خود سے کام نہ لو، لآلہ کے متوالو
جنوں کو کام میں لاؤ مزید وقت نہیں
خود سنبھالتی پھرتی ہے چارٹسکوں کو

جنوں ہے برقی تپاں چھوٹے لاکھ تک بھی نہیں
خود کے علم میں ہو گا کہ در پہ دشمن ہے
جنوں بھی خوب سمجھتا ہے کارِ دشمن دیں
خود کی دنیا متاع الغرور ہے بے شک
جنوں کا گرز بنے گا خود کا یوم الدین
خود جنوں کے نشیب و فراز کیسا جانے

جنوں کے اپنے ہیں افلاک اس کی اپنی زمیں
خود نے کر دیا اقبال کو حرم بیسزار
جنوں نے مردِ تسلندر کو کر دیا شاہیں
خود بیرسٹر و سر ڈاکٹر ابو جت اویدا!

جنوں ہے نالہ شب گیر فستہ گوشہ نشین
خود نے خوب پڑھے ہیں علوم شرق و غرب
جنوں بغیر مگر صورتِ تہا رہیں!

خرد نے بات نہ بدلی تو کیسا خرد مندی
جنوں کو جنبشِ شرکاں کبھی گوارا نہیں
خرد کے سجدے سوتے کعبہ ہمہ دانی
جنوں کا کعبہ ہے کعبے کا کعبہ یارِ حسیں
خرد گھنٹہ، تفساخر، عنسور کی بستی
جنوں کے پنجے سے ہے چاک جامہ تمکین
خرد بنام خرد اکھا رہی ہے نذرانے!
جنوں ہے دشمن ہر خرقتہ پوش و رہن دیں
خرد نے سبھا ہے تقسیم کا سوال جسے
جنوں ہے ضربِ یدِ اللہی ہونہ چلیں بہ چلیں
خرد خیال سے پاتی ہے بد دماغوں نے،
جنوں ہے فیضِ نظر بے نظر، ملے نہ کہیں
خرد کا راج پر ہتھی کا راج ہے گویا!
جنوں ہے غوری جنوں خواجہ معین الدین
خرد ہے دیکھ کے حیراں جنوں کی لاٹ بلند
جنوں ہے کشتہ تسلیم خواجہ قطب الدین

خرد کی بستی اجودہن کی راجدھانی ہے
 جنوں پاک تین ہے جنوں سید الدین
 خرد نے دیکھا جنوں کا جمالِ شاہانہ!
 جنوں ہے خسرو جنوں خواجہ نظام الدین!
 خرد ہے کیسے دوزخرد کا مزاج پرویزی
 جنوں کا نام کہیں بیریہ کہیں شیریں
 خرد کے دام میں آیا سرنگیوں کا جہاں،
 جنوں کو ڈھونڈنے نکلے ہیں پاسکیں جو کہیں
 خرد زباں سے کرے رام رام یا میں!
 جنوں کلیم ہے ظاہر میں گوزبان نہیں!
 خرد کے بعد بنا ہے جمال تبریزی
 جنوں سے قبل تھا رومی فقط جلال الدین
 خرد سے پوچھ نہ افانہ عنہم شبیر!
 جنوں شہید، شہادت جنوں بغیر نہیں!
 خرد کے بھیس میں آنے کو ہے خردِ جمال!
 جنوں امام جہاں، آ رہا ہے دیر نہیں

شب چراغ

خرد کے پُرزے اڑیں گے وجودِ امکاں میں
جنوں کے حکم سے باہر نہیں مکانِ دیکیں

خرد کو ہونا ہے رُسوائے ہر جہاں و اصف
جنوں کی صُبحِ درختاں، جنوں کی شامِ خیں

کشتگانِ جنجشہ تسلیم ہیں لوح و قلم
بے اجازت کس کی بمت بے اٹھائے اک قدم

خرد کی موت بنی ہے جنوں کا پہلا قدم
خرد جدیدتِ خوشی ہے جنوں فنا بہ غم
جنوں کو ایک ہی صدمہ ہے کہ غم رہے ہر دم
خرد کو حسنِ طلب، ہر قسم ادا تے کرم

خرد صحرا کی ہستی ہے جنوں قلم کی مستی ہے
جنوں گنج گرا نبایہ خرد کی بات سستی ہے
خرد ڈوبی تفکر میں جنوں انکار کی جنبش!
جنوں حکمت کا موتی ہے خود جس کو ترستی ہے

دُور کی آواز

آ رہی ہے یہ دُور سے آواز

بن کے آئینہ دیکھ رنگِ طلسم

کوئی صورت ہے اور نہ کوئی جسم

ایک آہٹ ہے ایک سایہ ہے

کوئی احاس بن کے آیا ہے!

میں کہاں ہوں، مجھے نہیں معلوم

میں نہ موجود ہوں نہ ہوں معدوم

پھیلتا ہوں کبھی سمٹتا ہوں

بامِ دور سے کبھی پٹیتا ہوں

گاہ قلزم ہوں گاہ قطرہ ہوں
گاہ ذرہ ہوں گاہ صحرا ہوں
مجھ سے ملنے کو منہ نہیں بے تاب
اٹھ رہے ہیں مری نظر سے حجاب

حاصلِ زلیت اشکباری ہے
عُسرِ رورو کے ہی گزاری ہے
مجھ کو اُلفت نہیں کسی سے مگر!
میری نظریں ہیں سارے چہروں پر
زد میں ہوتے ہیں گاہ یہ افلاک!
گاہ میں دم بخود ہوں مشعلِ خاک
جھومتا ہوں میں جوش میں آکر
پلے ساقی کو ڈھونڈتا ہے سر!
سرمدی مے کے جام پیتا ہوں،
روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں!

گاہ پر بت بھی چل کے آیا ہے
میرا سایہ کبھی پر آیا ہے !
میرے احساں میں ہے طغیانی
میرے انکار میں ہے جولانی !

بند کلیوں کو ٹوٹے دیکھا
یہ شگوفہ بھی پھوٹے دیکھا !
میں نے مرجھاتے پھول دیکھے ہیں
مُسکراتے بول دیکھے ہیں !
برق کو آشیاں میں پایا ہے
چار تنکوں کو خود جلایا ہے
دجر میں آگے ہیں زراغ دزخ
گرگسوں کو ہوتی چسپن کی لگن
اب عنادل چمن میں بے گل ہیں
دشتوں کے اُڈتے بادل ہیں

آج گلشن میں سب لٹیرے ہیں
گھات میں چار سو اندھیرے ہیں
ذوقِ حیدرہ نہیں جبینوں میں
نورِ ایماں نہیں ہے سینوں میں!
جل رہے ہیں چراغِ مدہم سے
ٹٹمانے لگے ہیں اب غم ہے
اب بہاریں کہاں خزاں نہ رہی
بھل گئی شاخِ آشیاں نہ رہی
گل و لالہ و زگس و سوسن!
چاک ہیں آج سب کے پیراہن
سروِ قامت بھی سرنگوں ہے آج
ورد پہلے سے کچھ فزوں ہے آج
گبک تسری و عندلیب، چکور
آج گم گم ہیں جیسے تختی گور!
ہم نے سپینچا لہو سے جو گلشن
حسرتوں کا وہ بن گیا مدفن!

سب کو بے اقتدار کی خواہش
ایک، دو کیا، ہزار کی خواہش
حاکم وقت جو بھی آتا ہے!
خواہش ذات ساتھ لاتا ہے
یہی کہتا ہے، ہر غرض کا غلام
بھاڑ میں جاتے مملکت کا نظام
جو بھی ہوتا ہے آج ہونے دو
بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے دو!
کون سمجھے گا مری چالوں کو،
بھول جاؤ گے باکالوں کو!
جھوٹا مسکے بھی میرا چلتا ہے
صبح دم بھی چراغ جلتا ہے
راج دھانی میں راج ہے میرا
تخت میرا ہے، تاج ہے میرا
میرے جھنڈے ہوا میں لہراتے
میری بیسبت کے چھاگتے ساتے

میرنی دُنیا، غرور کی دُنیا
کیفِ دستی، سرور کی دُنیا!
میرنی دُنیا میں تذکرا میرا،
میرنی دُنیا ہے نفس کا ڈیرا!
میرنی دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
کٹا دہ ہے جو نہیں ہوتا!
مجھ کو اسلام سے محبت ہے
مے پرستی سے بھی تو رغبت ہے
میرنی دُنیا خسرو کی عیاری!
اب سیاست بنی ہے مکاری!
یہ زمین ہو گئی ہے میرے نام
آسماں تک چلے گا مرا نظام
تقی یہ مدت سے آرزو میری
لائی منزل پہ جستجو میری!
کوئی فردا نہ کوئی ماضی ہے .
حال کی سب کرشمہ سازی ہے

شب چراغ

ہر ستارے کا رہ گزار الگ!
تیرے میرے ہوتے مزار الگ

عُن رہا بُوں میں دُور کی آواز

میرے اشکوں میں بے ضیائے سحر
چشمِ تر کر گئی ہے دیدہ دور
رنگِ بدے گا اب زمانے کا

وقت باقی نہیں فسانے کا!
منفعل ہے خرد خُدا رکھے
اب جنوں کا مزار ذرا چکھے!

اب فسانے کا ہے نیا عنوان
ایک شعلے کا منتظر ہے جہاں!
ہے ابھی وقت ہوشِ گر آئے
بازی بگڑی ہوئی سنور جائے

جاننا ہوں کہ بے نیاز ہے تُو،
بھ کو کیسا فکر کار ساز ہے تُو

تُو جو چاہے تو زندگی آئے !

ورنہ خرمن ہی برق ہو جائے !

تیری رحمت کا انتظار کروں

کس طرح اپنا بیڑا پار کروں؟

تُو سَمیع و بصیر ہے مولا !

تُو معین و نصیر ہے مولا !

تُو اگر چاہے بات بن جائے

وعدہ ہاتھوں سے یہ چمن جائے

اس پس پر ذرا نگاہِ کرم !

سر کو کرتا ہوں تیرے نام پہ خم

مرجا حُسنِ شانِ بیکتانی

تُو تماشا ہے یا تماشا ئی !

کیا نہ آئے گی اب ضیائے سحر

کیا بھٹکتا رہے گا ذوقِ سحر

ایک آہٹ کا منتظر ہوں میں

اور ہر شے سے بے خبر ہوں میں

سُن رہا ہوں میں دُور کی آواز

یہ خرد کی ہے جلاہ آرائی

ہم کو آزادی را کس کب آتی؟

جلاگتے ہیں خرد کے مینجانے

سوربے ہیں جنوں کے کاشانے

کیتنی سادہ ہے تلت بیضا

عقل پر پڑ چکا ہے پردہ سا!

یہ ہے اسلامی مملکت بھائی

اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کیوں حقیقت بنی ہے افسانہ

کوئی اپنا رہا نہ بے گانہ!

بوعلیؑ ہے نہ آج ہے شہباز!

کوئی ملتا نہیں مرا بہمراز!

بزمِ اغسیار تک رسائی ہے

چشمِ بیناتری دبائی ہے!

رُخ سے پردہ اٹھا کہ وقت آیا
اپنا جلوہ دکھا کہ وقت آیا!
خود سربہی ہے یا خود آگاہی
ڈھونڈتا ہے تجھے تیسرا راہی
صحن گلشن میں آبرنگ بہار
ہوں وہی سبزہ گل و اشجار
واسطہ تجھ کو تیری عظمت کا
نصوت و ہیبت و جلالت کا
چھین غاصب کے ہاتھ سے ہیبت
ہم غریبوں کی بن کے آقمت
اپنے بندوں کو باخبر کر دے
دھڑکنیں دل کی تیز تر کر دے
تجھ سے تیری نظر کو مانگا ہے
آہ نے اب اثر کو مانگا ہے

بے نیاز وجود، نورِ قدیم
تو غنمی در وقتِ وانی لعیلے
بُتھ کو زیبا ہے بے نیازی مگر
اپنے بندوں پہ ہو کرم کی نظر

واسطہ عاجزی کا دیتا ہوں
بے بسی بے کسی کا دیتا ہوں !
آج اک بات لب پہ آئی ہے
کیا یہی رسمِ آشنائی ہے !
اس جسارت پہ ہونہ تو برہم
بُتھ کو کیسے مصطفیٰ کی قسم !
جانِ عالم ذرا قریب تو آ،
دیکھنے خانہٴ عنبرِ تو آ !
رُخ پہ پردہ گرانے والے آ
مجھ کو اپنا بنانے والے آ !
گرم آنسو تجھے بلاتے ہیں !
ہم چراغِ دُعا جلاتے ہیں

آغریبوں کا دل کشادہ ہے
جانِ جاں بول کیا ارادہ ہے؟
تجھے ملنے کی آرزو بھی ہے
اپنا انجم رُوبرو بھی ہے
تیرے گلشن میں رنگِ دلوں مجھ سے
تیرے صحرا کی آبرو مجھ سے! م
غم زدہ کائنات میں تنہا،
گم ہوں میں تیری ذات میں تنہا
دمِ غیلے ہے ایک نعرہ ہو
میں نقطہ میں ہوں اور تو ہے تو
تُو نے مجھ سے بڑا اعزاز
تُو نے مجھ کو بنا لیا، ہمارا!
کیا بتاؤں تجھے بتا نہ سکوں
پانا چاہوں تجھے تو پانا نہ سکوں
تُو حقیقت بھی ہے گناں بھی ہے
تُو عیاں بھی ہے، تُو نہاں بھی ہے

دارتیرا ہے یار تیرا ہے
عشق باقی رہا سو میرا ہے
تیرے ہی فن کا شاہکار ہوں میں
تُو ہے مخنی تو آشکار ہوں میں!
اپنی مہستی میں گوئیں خاکی ہوں
ہوں تو مٹی مگر بلا کی ہوں!
نام میرا ہی اشکِ فرقت ہے
ذوِ رہ کر بھی تجھ سے قربت ہے
کون ہے تُو بھلا کہاں ہے تُو
ماورائے حدوت ہاں ہے تُو
تُو نے بختا ہے مجھ کو قلبِ سلیم
کیوں نہ ہو تیرا فیصلہ تسلیم!
تو میرے پاس کب نہیں ہوتا
گشتہ میں بے سبب نہیں ہوتا
پھر بھی مجھ سے تُو ہم کلام نہیں
کرتِ ارنی مرا امت م نہیں

"نخنِ اقرب" نظر سے دور نہیں
انکساری ہے یہ عسکر نہیں
میرے سر پر ترا ہی سایا ہے
تو نے مجھ کو بہت رُلا یا ہے!
دلِ مہجور کی دُعا سن لے
اپنے بندے کی التجا سن لے!
سرنگہوں ہونہ جاتے آنِ وطن!
کس لیے چپ ہیں پاسبانِ وطن؟

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا،!
تجھ سے ملنے کا اک بہانہ تھا!
یہ وطن تیرے نام پر تھا بنا
جانِ عالم تجھے بھی یاد ہے کیا؟
بات کل کی ہے کب پُرانی ہے
اک حقیقت نئی اب کہانی ہے

یہ حقیقت تھی اِعتبار کی حد
جذبہ لالہ پیار کی حد
وہی، اِسمیر خچوڑ آتے ہیں
آج ہم لوگ ہی پراتے ہیں
موج در موج قافسے آئے،
نام تیرا فقط بچا لائے!
جان و عزت کے ساتھ مال گیا
دلِ مہجور بنس کے ٹال گیا
اب غریب الدیار گھر میں ہیں!
منزلیں آج بھی سفر میں ہیں
کیا کریں ہبم بنا کہاں جائیں،
ہم جہاں سے چلے، وہاں جائیں

میرے غم خانہ خیال میں آ
خُنِ کامل ذرا جلال میں آ

آبھی جا اس غریب خانے میں
عمر گزرے نہ آزمانے میں!
آج ہم اشک بار بیٹھے ہیں
محسوس انتظار بیٹھے ہیں!
ہو چکا جو ہوا، ہوا سو ہوا!
اب مگر ہے مزاج بدلا ہوا!
چاہتا ہوں کہ راز افشا ہو!
تیرا ہلکا سا گرا اشارہ ہو
گر اجازت ملے کروں اعلان
کانپ جاتیں گے جس سے یہ ایوان
کہہ رہی ہے یہ دور کی آواز
آج ان ناخداؤں سے کہنا
بھوٹے ان پارساؤں سے کہنا
رُخ ہواؤں کا اب بدلتا ہے
آنے والا کسی سے ملتا ہے؟

شب چراغ

ٹوٹنے کو خرد کا ہے افسوں
چاند تاروں پہ ہے کندِ جنوں !
ثبثہ و جام اب نہیں درکار
آنے والا ہے کوئی جانِ بہار
بے شہیدوں کی سرزمین یہ وطن
اب سلامت رہے گا یہ گمش
اس وطن پر نگاہ ہے اُس کی
یہ زمیں جلوہ گاہ ہے اُس کی !
دین کو جس نے نورِ عین دیا !
یعنی اپنا جگر حسین دیا !

سُن رہا ہوں میں دُور کی آواز

اک نیا معرکہ بپا ہو گا !
کیا بتاؤں میں اور کیا ہو گا !
اب جنوں ناطنمِ چمن ہو گا !
چاک دامانِ مکر و فن ہو گا !

راہبر ایک دیدہ ور ہوگا
راہِ پنہاں سے بانجبر ہوگا
بن کے ابر بہار آتے گا
دافع انتظار آئے گا ، !
زنگ آ کرِ رضا میں بھرے گا
جتنے مشکل ہیں کام کر دے سکا!
پھر نہ ہوگی یہ روز کی تقسیم!
ہو سکے گی نہ دین میں ترمیم!

آنے والے کمال کے دن ہیں
عظمتِ ذوالجلال کے دن ہیں

بصورتِ اقبال

السلام اے ملتِ اسلامیہ کے جاں نثار
السلام اے پیرِ رومی کے مُریدِ باوقار
وہ تصور جو تجھے رکھتا تھا پیہ، ہم بے قرار
اس تصور کا کیلے کس نے دامن تار تار
رنگ و بو میں اڑ گئی ہے اُس چین کی آبرو
جس چین میں تھی ترے نعمت سے فصلِ بہار
آرزو کا مدعا کیا تھا؟ شکستِ آرزو؟
کارواں کو کیا ہوا حاصل بجز گرد و غبار
کس کی غفلت سے شکستہ ہو گئے جام و سبو
میکدے کا میکدہ کیوں ہو گیا ہے سوگوار
آہ اے اقبال تو واقف نہ تھا اس راز سے
اس وطن کے راہبیر تجھ کو کریں گے نثر مبار

لا الہ کے دم سے تھا میرے وطن کا اتحاد
لا الہ کو چھوڑنے کا ہے نتیجہ انتشار!
اے خودی کے رازداں سدا یاد ہے فریاد ہے
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تیرا انوکھا شاہکار!
اے شریکِ زمرہ لایحز نون تو ہی بتا،
نوجوانانِ چین کیوں ہو گئے ہیں اشکبار
افتخارِ ملک و ملت شاعرِ اسہام سن!
یاد کرتے ہیں تجھے لاہور کے سیل و نہار
شمعِ آزادی جو تیری فکر سے روشن ہوئی
عزمِ تازہ مانگتی ہے حریت کی یادگار

کیا کہے واصف کہ یہ اقبال کا پیغام ہے
ہوشیار اہل جنوں، اہل خرد سے ہوشیار

قائدِ اعظم

آدیکھ ذرا رنگِ چین قائدِ اعظم
تنظیمِ اخوت ہے نہ اب عزم و یقین ہے
گلشن کی تباہی کا سماں پیشِ نظر ہے
بخشا تھا جسے تو نے اُجالوں کا لبادہ
پاکیزہ سیاست نہ امامت رہی باقی
نشاہیں کیلئے موت ہے کرگس کی غلامی
بے رنگ ہوتے سر و سمن قائدِ اعظم
ہم بھول گئے عہدِ کھن قائدِ اعظم
اُڑتے ہیں یہاں زراغ و زرغن قائدِ اعظم
اُس قوم نے اوڑھا ہے کفن قائدِ اعظم
دنیا بھی ہے فنِ بین بھی فن قائدِ اعظم
ہے زار و زبول ارضِ وطن قائدِ اعظم

وہ رنگ دکھاتے ہیں شیشہ گردن
 تو نے ہمیں بخشی تھی جو آزادی کی دولت
 یزخم بھرے گا تو عدد کی ہی لہو سے
 کیا تجھ سے کریں گردشِ فدا کا شکوہ
 اشکوں کا ملامت ہے یہاں میرے حمن میں
 اہم پرستوں کے لیے صبحِ مُسرت؟
 و اصف کے لیے رنج و حمن قائدِ عظیم

پر دس بنا اپنا وطن قائدِ عظیم
 ہم نصف لٹا کر ہیں گمن قائدِ عظیم
 زخمی ہیں عساکر کے بدن قائدِ عظیم
 کھانے لگی سورج کو کرن قائدِ عظیم
 اُڈے ہیں دباں گنگ و حمن قائدِ عظیم

دُعَا

- الہی واسطہ رحمت کا بُتھہ کو
الہی واسطہ وسعت کا بُتھہ کو
الہی واسطہ عظمت کا بُتھہ کو
الہی واسطہ قوت کا بُتھہ کو
الہی واسطہ شوکت کا بُتھہ کو
الہی واسطہ عزت کا بُتھہ کو

خطائیں بخش دے ساری الہی

مصیبت سر پہ ہے بھاری الہی
ہر اک سینے میں دل گہرا رہا ہے
کہ شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے !
اخوت ہو رہی ہے پارا پارا

سہارا دے سہارا دے سہارا
خطاؤں سے ہماری درگزر کر !
علاج سوزشِ داغ جگر کر !
حوادث پر حوادث آ رہے ہیں

کیے پر اپنے ہم پھیتا رہے ہیں
جو خمی ہے ہماری دُور فرما،

دعاؤں میں اثر دے میرے مولا !
وطن کی جان ہی پر بن گئی ہے ،

بڑی دولت تھی ہاتھوں سے لٹی ہے
چھٹا امید کا ہاتھوں سے دامن

جلی کچھ اس طرح سے شاخ گلشن

بلائے ناگہاں نازل ہوئی ہے
ہر اک سینے میں جاں بے گل ہوتی ہے

زمانے بھر میں ہم رُسا ہوتے ہیں
ہمارے تذکرے کیا کیا ہوتے ہیں

ہوتی ہے کفر کی یلغارِ ہسم پر
ہماری کیوں چلی تلوارِ ہسم پر

قیامت ہے قیامت آگتی ہے
نگہ افکار کی پھتر آگتی ہے

کہیں اقصیٰ کا ماتم ہو رہا ہے
کہیں حصہ بدن کو رو رہا ہے

کہیں اخبار کی سرخی جمی ہے!
کہیں دوشیزگی ٹوٹی گئی ہے!

کوئی بچہ کہیں اغوا ہوا ہے!
مرے مولا ہمیں کیا ہو گیا ہے

کہیں گھر کو جب لایا جا رہا ہے،
کہیں بھائی کو بھائی کھا رہا ہے!

وطن میں گل کھلاتے جا رہے ہیں

نئے عنوان لاتے جا رہے ہیں

کوئی تخریب کا پیغام بر ہے

کوئی دشمن کا منظورِ نظر ہے!

کسی کو غیر سے امداد آتی!

دہائے بے دہائے ہے دہائی!

محافظِ دین کے پیرانِ جعلی!

لباؤں اور ہڈیوں کو بیٹھے ہیں خالی!

غریبوں کی کھائی کھا رہے ہیں!

توکل کا بیسٹاں فرما رہے ہیں

نہ راہی ہیں نہ رستہ آشنا ہیں!

بزرگم خویش پتے رہنما ہیں

مگر ہے رسم کے قابلِ مُسلمان

کہ تیرا نام لیوا ہے یہ ناداں!

مُسلمان کو مٹایا جا رہا ہے!

نگہبیاں کو سُلا یا جا رہا ہے!

گوشکوه نہیں یہ البتہ ہے،
مسلمانوں سے کیوں ناراض سلسلے
الہیے یا الہیے یا الہیے !
ہوئے مجبوس کیوں تیسرے سپاہی!
مسلمان کو عطا کر سہرازی !
کہ غازی لے کے آتیں اپنے غازی
مسلمان کو بنا پتہ مسلمان !
بنے اب غیب ہی سے کوئی سامان
مسلمان سے مسلمان دور کیوں ہے
ہر اک اپنی جگہ مجبور کیوں ہے !
مسلمان کا لہو ازراں ہوا ہے !
چمن تو حید کا ویراں ہوا ہے
ترے محبوب کی محبوب امت
زمانے میں ہوتی غرقِ ندامت !
مسلمان کو عطا کر زورِ حیدر،
صفِ دشمن کو تو زیرِ وزبر کر !

بچا ہمت کو تو اپنے کرم سے ،
کریمانہ نظر مت پھیر ہم سے !
کہ تیرے ہی کرم کا آسرا ہے
دگر نہ پاس اپنے اور کیا ہے !
خدایا بس تری رحمت ہے درکار
ہمیں معلوم ہے ہم ہیں گنہگار !
فقط اک آسرا باقی ہے تیرا ،
دگر نہ چار سو چھایا اندھیرا
گناہوں نے دعائیں چھین لی ہیں
خطائیں کچھ زیادہ ہنسے کی ہیں !
مگر رحمت تری حلوی غضب پر
کرم کر یا الہی اور سب پر !
خدایا اپنی رحمت عام کر دے
بہت بگڑا ہوا ہے کام کر دے
کرم کی اک نظر ہو جان عالم ،
سوالی ہیں ترے با چشم پر نعم !

تجھے سب اولیاء کا واسطے ہے
شہید کر بلا کا واسطے ہے!
علی المرتضیٰ کا واسطے ہے!
محمد مصطفیٰ کا واسطے ہے!
میرے منعم کر اب حاجت روائی،
میرے بادی بس اب ہو رہسنائی
ہٹا دے سب کی رغبت ماسوائے
مُحبت ہو تو محبوب خُدا سے
کہ عاصی ہیں ترے در کے سوالی
کوئی کاسہ نہ اب رہ جائے خالی
بھروسہ غیبر کا ہم سے اٹھلے
ہمارا بن تم میں اپنا بنا لے!
ترے در پر نگوں ہر اک جہیں ہو
فرورزاں قلب میں شمع یقین ہو!
نبی کی آل کا خادم بنا دے،
مسلمانوں کو سیدھی راہ دکھا دے

بے تیری ذات حاوی سب جہاں پر
زمانوں پر زمیں پر آسماں پر
ترے آسمانے حسنیٰ کا سہارا
وگرنہ کون سے اپنا ہمارا
حکومت چاہتے ہیں ہم اللہ کی
غلامی مانگتے ہیں مصطفیٰؐ کی !
صحابہؓ کی عقیدت بد مانگتے ہیں
بخشا، صدق و عدالت مانگتے ہیں
شجاعت اور دستِ مرتضیٰؐ کی
یہی ہے آرزو اپنی دعا کی
تو اپنے دوستوں کو حکم نہ دے
کہ ہو جائیں اکٹھے سارے یکجا
وطن تقسیم پھر ہونے نہ پاتے،
کہیں یہ شمع ہی گل ہو نہ جائے
عطا کر اپنے سب منحنی خزانے
کہ ہوں آباد اُجڑے آشیانے !

مریضوں کو مرے مولا شفا دے
غریبوں کو کٹکتش یا خدا دے
تجھے ہے واسطہ تیری طلب کا،
بنادے اپنا ذاکر قلب سب کا
اسیروں کو مرے مولا رہا کر !
کریمانہ نظر میرے خدا کر !

الہی بخش دے سب کی خطا کو ، !
قبولیت لے میری دعا کو !

سُخْنِ دَر سُخْنِ

(غزلیں)

شب چراغ

۱۲۵

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تُو نے ہی سکھاتی تھی مجھ کو یہ نزل خوانی!
«اقبال»

شب چراغ

روائے شب سے ورا آفتاب تھے کتنے
ہماری اپنی نظر پر مجاب تھے کتنے!
یہ دیکھنے کو میں بڑھتا رہا گناہ کی سمت
کہ عاصیوں پہ کرم بے حساب تھے کتنے
اک آسمان مری گود میں تھا بھر کی شب
قدم قدم پہ درخشاں شہاب تھے کتنے
سحر کے وقت فضاؤں سے تیرگی نہ گئی
عروسِ صبح کے رُخ پر نقاب تھے کتنے
جنوں کی ایک ہی جنبش سے پھٹ گئے بادل
خرد کی تیرہ فضا میں سحاب تھے کتنے
کہاں تھا دشتِ طلبِ حُسنِ زندگی سے تھی!
خلوص و مہر و وفا کے سراب تھے کتنے
گھلی جو آنکھ پسِ مرگ تو یہ راز کھلا،!
کہ ایک خواب کے عالم میں خواب تھے کتنے

ظاہر میں گرچہ جسم مرا بے خراش ہے
 احساس کا وجود مگر قاش قاش ہے
 تیری نظر ہے مطلعِ انوارِ صُبحِ پر،
 میری نظر میں ڈوبتے سورج کی مہلاش ہے
 آواز دے کے آپ تو خاموش ہو گئے
 پھرنے لہو میں اب بھی وہی ارتعاش ہے
 ٹھہرے سمندروں کی طرح تم ہو بے طلب
 آبِ رواں ہوں، مجھ کو تمہاری تلاش ہے
 سنگِ خزاں سے دستِ صبا نے لیا ہے کام!
 آئینہٴ جمالِ چمنِ پاشِ پاش ہے
 انسانیت کی موت ہے وہ دورِ اقتدار
 جس دور میں "صحیفہٴ فطرت" نراش ہے
 و اصف یہ کس مقام پہ لایا مجھے جنوں!
 اب ان کی جستجو سے نہ اپنی تلاش ہے

گردِ سفید میں تافندہ ملت کا اٹ گیا
یہ سانحہ بساطِ لہتیں کو الٹ گیا
ہم اپنے آپ میں ہی تجھے ڈھونڈتے رہے
تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا!
تھا اک غدا بے کمرِ نشیمن مرے لیے
مرہونِ برق ہوں کہ یہ قصہ نمٹ گیا!
کچھ اس طرح سے مجھ کو ملی دادِ تشنگی!
میرے قریب آ کے سمندر سمٹ گیا!
ہے میری عاجزی کو ہر اک دور میں ثبات
اور آپ کا غورِ غبارہ تھا پھٹ گیا
پہلا قدم ہی عشق میں ہے آخری قدم
محرورِ عشق ہے جو ارادے سے ہٹ گیا
دورِ خرد میں تیرگی کتنی فضا میں تھی!
واصف جنوں کے دور میں ماحول چھٹ گیا

گلہ نہیں ہے اگر میں تیری نظر میں نہیں
 ستارہ کوئی بھی اس وقت اپنے گھر میں نہیں
 تری طرح مری دنیا میں، اختیار کے
 مری طرح کوئی بے بس ترے نگر میں نہیں
 کیا ہے فنِ شکر نشین سے برق نے آزاد
 خدا کا شکر کہ اب میں کسی حطر میں نہیں
 اب احتساب کسی کا کوئی کرے کیسے
 بھنور ہے کشتی میں، کشتی کسی بھنور میں نہیں
 کوئی امیر ہو اپنی بلا سے، کوئی غریب
 سوال اتنا ہے کیوں فرق خیر شر میں نہیں
 اس ارتقا کا نہ جانے زوال کیا ہو گا
 بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں
 چلے ہو ساتھ تو ہمت نہ ہارنا و اصف
 کہ منزلوں کا تصور میرے سفر میں نہیں

رازِ دل آتش کار آنکھوں میں
حشر کا انتظاں آنکھوں میں
وہ بھی ہو گا کسی کا نورِ نظر
جو کھٹکتا ہے خار آنکھوں میں!
لے کے اپنی نگاہ میں تسلیم
آمری ریگ زار آنکھوں میں
کچھ بگولے سے رقص کرتے ہیں
کچھ گریباں کے تار آنکھوں میں
رہ گئی کان میں صائے درجس
کارواں کا غبار آنکھوں میں!
چھوڑ کر چل دیا ہے عہدِ جنوں!
اک حسین یادگار، آنکھوں میں!

ابرِ رحمت مری نظر سے گزرا!
جل رہے ہیں چنار آنکھوں میں!
مجھ کو جو کچھ ملا، مری قسمت،
تو بے کیوں شرمسار، آنکھوں میں
رات کیسے بسر ہوئی و اصف!
دن کو ہے کیوں خمار آنکھوں میں!

آنکھ برسی تو بے بہا برسی !
جیسے برسات میں گھٹا برسی
زندگی میں مرا خیرِ ال نہ تھا
بعد مرنے کے اب منا برسی !
دامنِ گل پہ گوہرِ شبنم
ہو گئی جس کی چشمِ وا، برسی
آسمانوں سے نور برساتا تھا
آسمانوں پہ خاک، برسی
مجھ میں تجھ میں یہ فرق تھا و اصف
آنکھ میری، تری قبہ برسی !

ہر شام گرچہ آتی نظرِ حوصد شکن
 ہر صبح نے دیا ہے مجھے عزم کوہکن
 کیا گل کھلا گئی ہے عبا صحنِ باغ میں
 شاخیں میں سر بریدہ، شاگوں نے دریدہ تن
 انجام تھا نوشتہ دیوار کی طرح !
 آغاز ہی سے ٹوٹ رہا تھا مرا بدن
 ایسے میں روشنی کی تماشہ زندگی
 جب آفتاب سے ہو گریزاں کرن کرن
 ڈھلتا رہا خیالِ مرا حرفِ مصوت میں
 تحلیلِ جان کے بعد ملا گوہِ سُبْحَن
 دیوانگی کے بعد ملی مجھ کو آگہی !
 میرے جنوں نے مجھ کو دیا اذنِ پیرہن
 و اصف جہانِ فکر کی تنہائیاں نہ پوچھ !
 اہلِ تسلیم کے واسطے خلوت بھی اچھسن

جو لوگ سمندر میں بھی رہ کر رہے پیاسے
راک ابر کا ٹکڑا انہیں کیا دے گا دلا سے
مانا کہ ضروری ہے نگہبانی خودی کی!
بڑھ جاتے نہ انسان مگر اپنی قبلا سے
برسوں کی مسافت میں وہ طے ہو نہیں سکتے
جو فاصلے ہوتے ہیں نگاہوں میں ذرا سے
تُو خون کا طالب تھا تری پیاس بجھی ہے،
میں پاتا رہا نشوونما، آب و ہوا سے!
مجھ کو تو مرے اپنے ہی دل سے ہے شکایت
دُنیا سے گلہ کوئی نہ شکوہ ہے خُدا سے
ڈر ہے کہ مجھے آپ بھی گمراہ کریں گے!
آتے ہیں نظر آپ بھی کچھ راہنما سے

دم بھر میں زمیں بوس وہ ہو جاتی ہے واصف
تعمیر نکل جاتی ہے جو اپنی بنا سے!

رستے میں اک شجر ہے زمیں پر پڑا ہوا

سایہ مگر ہے اپنی انا پر اڑا ہوا !

دیدہ دروں نے اُس کو بنایا امیر شہر

تھا جس کی چشم کو ریں پتھر جڑا ہوا

کس کس سے تعزیت کا فریضہ ادا کرے

ہر آدمی کے سر پہ ہے کتبہ گڑا ہوا

توڑے گا کون وقت کے ظالم جو فو کو

اہل ہنر کے لب پہ ہے تالا پڑا ہوا

قاتل بھی یار تھے مرے مقتول بھی عزیز

واصف میں اپنے آپ میں نام بڑا ہوا

ہر چہرے میں آتی ہے نظریار کی صورت
اجاب کی صورت ہو کہ اغیار کی صورت
سینے میں اگر سوز سلامت ہو تو خود ہی !
اشعار میں ڈھل جاتی ہے افکار کی صورت
جس آنکھ نے دیکھا تجھے اس آنکھ کو دیکھوں
ہے اس کے سوا کیا تیرے دیدار کی صورت
پہچان لیا تجھ کو تری شیشہ گری سے !
آتی ہے نظر فن سے ہی فنکار کی صورت
اشکوں نے بیاں کر ہی دیا رازِ تمنا،
ہم سوچ رہے تھے ابھی اظہار کی صورت
اس خاک میں پوشیدہ ہیں ہر رنگ کے خاکے
مٹی سے نکلتے ہیں جو گلزار کی صورت
دل ہاتھ پہ رکھا ہے کوئی ہے جو خریدے؟
دیکھوں تو ذرا میں بھی خریدار کی صورت !

صورت میری آنکھوں میں سماتے گی نہ کوئی !
نظروں میں بسا رہتی ہے سرکار کی صورت
واصف کو سرِ وارِ پکارا ہے کبھی نے
انکار کی صورت ہے نہ اقرار کی صورت

شب چراغ

میں سبراک موج کے بمرآه بکھرنے والا
تُو مجھے دیکھ کے اُس پار اترنے والا،
آج آسیب کی مانند ڈراتا ہے مجھے
وہ جو کل تک تمہارے ساتھ سے ڈرنے والا
اپنے چہرے میں دکھا جاتا ہے کتنے چہرے
اجنبی بن کے نگاہوں سے گزرنے والا
آج اک درد کی تصویر بنا بیٹھا ہے
رنگ انکار کی تصویر میں بھرنے والا!

کوئی شکوہ نہ شکایت رہے باقی واصف

آنکھ اک بار ملاتے تو مگر نے والا !

چھوڑ کر جانے مجھے رنگِ مدارات سمجھ
میرے سلتے کو مری طرح مری ذات سمجھ
میرے الفاظ کی ترتیب پہ برعم کیوں ہے
میرے الفاظ میں پوشیدہ ہے جہات سمجھ
مخمسب جھوٹے گواہوں کی گواہی پہ نہ جا
غور سے دیکھ مجھے صورتِ حالات سمجھ
اپنے شاداب حسیں چہرے پہ مغرور نہ ہو
زرد چہروں پہ جو لکھے ہیں سوالات سمجھ
شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کا پیغام بھی سن
جھومتی گاتی بہاروں کی مکانات سمجھ
چھوڑا اب کوئے تمنا سے گزرنے کا خیال
کہہ رہی ہے تجھے کیا گردشِ حالات سمجھ
کوئی درویش، خدامت، قلندر، واصف
سہ آگیا تیرے مقابل تو وہیں مات سمجھ

ہر انسان ہی کہتا ہے، دکھو تو اب کیا ہوتا ہے
رستے میں دیوار کھڑی ہے، اتنا تو سب کو دکھتا ہے
چاروں سمت اندھیرا پھیلا، ایسے میں کیا رستہ سوچے
پریت سر پر ٹوٹ ہے میں، پاؤں میں دریا بہتا ہے
میری سندرتا کے گنے چھین کے وہ کہتا ہے مجھ سے
وہ انسان بہت اچھا ہے جو ہر حال میں خوش رہتا ہے
اک چہرے سے پیار کروں میں، اک سے خوف لگے بے جھکو
اک چہرہ اک آیت ہے، اک چہرہ پتھر لگتا ہے
میں تقدیر زمانے بھر کی، ہر انسان ممتد میرا
جرم کسی کا چلتے چلتے میرے ہی سر آ پڑتا ہے
کتنے جلوؤں سے گزرا ہوں، کتنے منظر دیکھے میں نے
اب بھی آنکھ سے اُدھیل ہے وہ جو میرے دل میں رہتا ہے
دھوپ اور چھاؤں سے بنتا ہے سستی کا افسانہ واصف
بڑھ جاتے ہیں دم کے سائے، عزم کا سورج جب ڈھلتا ہے

لب پہ آکر رہ گئی ہے عرضِ حال
 عشق کیا ہے آرزوئے قریبِ حُسن
 اس زمانے میں سکون کی آرزو!
 چارہ گرا اپنی مسیحائی کو چھوڑ
 دل لگی جس کو سمجھ بیٹھے ہو تم!
 تنگدستی اور ان کی آرزو!
 پھر وہی میں ہوں وہی انکی طلب
 وقت کی آواز پر چلنا درست
 کیا کرے خورشید سے ذرہ سوال
 حُسن کیا ہے عشق کا حُسنِ خیال
 اس زمانے میں سکون بنا محال
 اُن سے ملنے کی کوئی صورت نکال
 یہ کسی کی زندگی کا ہے سوال!
 اک قیامت ہے وبال اندر وبال
 پھر کسی طوفان کا ہے استمال!
 وقت کو آواز دینا ہے کمال
 دھل نہیں سکتے کبھی واصف علی
 شعر کے سانچے میں انکے خدو خال

یہ روشنی ہے ماگنی ہوتی آفتاب سے
ڈرتا ہوں اس لیے میں شب بہتاب سے
رحمت نے تیری مجھ کو گلے سے لگایا
میں ڈر رہا تھا ورنہ حساب و کتاب سے
میں بھی سوال کر کے بڑا منفعل ہوا،
نادم ہوتے ہیں آپ بھی اپنے جواب سے
ذوقِ نظر طے تو تماشا ہے کائنات
ہر ذرے میں چھپے ہیں کئی آفتاب سے
پہلے تو اپنے آپ کو اک آئینہ بنا
وہ خود نکل کے آئیں گے اپنے نقاب سے
کیا فرض، نفس رہے آسودہ بہار
آتی ہے بوئے خون بھی بوئے گلاب سے
کس کے لبوں سے دامنِ تقدیر میں محتسب
رنگین تر ہے، صورتِ صہبائے ناب سے

کیا بدگمانیاں تھیں حقائق کے ضمن میں ،
کتنی ترقعات تھیں وابستہ خواب سے
گھمائے رنگ رنگ کا مسکن ہے یہ زمیں
نسبت ہے خاک کو بھی شہِ بڑا ہے
جس ذات پر نزولِ کلامِ مجید ہو
وہ ذات کم نہیں ہے مقدس کتاب ہے
اس دور پر فریب میں واصف وفا کہاں
دنیا نکل چکی ہے وفا کے سراب سے

کرات کئے کب ہو سکتے نہیں سکتے
کب ہو گا دعاؤں میں اثر کہ نہیں سکتے
چلتے ہیں تو رستہ ہمیں رستہ نہیں دیتا
ہے طرفہ ستم گھر کو بھی گھر کہ نہیں سکتے
لے جاتے گی کس سمت ہوا کچھ نہیں معلوم
کس دیس میں اب ہو گی بسر کہ نہیں سکتے
جس ذات سے منسوب کئے بیٹھے ہیں خود کو
اُس کو بھی ہے کچھ اس کی خبر کہ نہیں سکتے
واصف یہی ہے کس و ناکس کی زباں پر
ہم جانتے سب کچھ ہیں مگر کہ نہیں سکتے

کل تک جو کر رہے تھے بڑے حوصلے کی بات
 ہے اُن کے لب پہ آج کھٹن مرحلے کی بات
 جس کا رداں کے سامنے تارے نگوں رہے
 صحرا میں اُڑ گئی ہے اُسی قافلے کی بات
 آخر سرِ غرور نے سجدہ کیا اسے
 یوں مختصر ہوئی ہے بڑے فاصلے کی بات
 راہِ طلب میں ہنسم سے کوئی بھول ہو گئی
 کیوں کر ہے میں آپ ہمارے صلے کی بات
 ہم نے تو عرض کر ہی دیا حرفِ مدعا
 اب آپ ہی کریں گے کسی فیصلے کی بات
 اُن کی تلاشِ اصل میں اپنی تلاش ہے
 کس سلسلے سے جا ملی کس سلسلے کی بات!
 واصف دیارِ عشق میں لازم ہے خامشی!
 مر کر بھی لب پہ آئے نہ ہرگز گلے کی بات

تُو فیصلہ ترکِ ملاقت میں گم ہے
بندہ تیری دیرینہ عنایات میں گم ہے
ہم منزلِ بے نام کے راہی ہیں ازل سے
تو تذکرہٴ حُسنِ مقامات میں گم ہے
شادابی گلشنِ کویا باں نہ بناوے
وہ شعلہٴ بے تاب جو برسات میں گم ہے
”ہے گردشِ دوراں کا، غماں گیر قلندر“
گم کر وہ روایات، مگر ذات میں گم ہے
منزلِ بے بہت دور مگر حُسنِ تقرب !
واضعف ترے قدموں کے نشانات میں گم ہے

کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
 صحرا میں ترا نقشِ قدم ڈھونڈ رہے ہیں!
 دیرینہ عنایات ہی کچھ کم تو نہیں تھیں
 وہ اور ہی اندازِ کسٹم ڈھونڈ رہے ہیں!
 یہ ہم ہیں تو وہ کون ہے وہ ہم ہیں تو یہ کون
 کچھ اڈ رہی آئینے میں ہم ڈھونڈ رہے ہیں
 ہوتا ہے کبھی شوق بھی اس زاہ میں حائل
 ہم یار کو باویدہ نم ڈھونڈ رہے ہیں!
 جس دن سے شناسائی ہوئی آپ کے عزم سے؟
 اس دن سے مجھے سینکڑوں غم ڈھونڈ رہے ہیں
 سہمی ہوئی دیران گزر گاہِ نظر میں
 آجا کہ نتھے آج بھی ہم ڈھونڈ رہے ہیں!
 واصیف ہمیں کیا واسطہ ہے بام و سبوسے
 میخانے میں ہم شیخِ حرم ڈھونڈ رہے ہیں

نگِ درِ حبیبؔ ہے اور سرِ غریب کا !
کس اونچ پرے آج ستارہ نصیب کا
پھر کس لیے ہے میرے گناہوں کا احتساب
جب واسطہ دیا ہے تمہارے حبیبؔ کا !
راہِ فراق میں بھی رستِ سفر رہا ،
زخمِ جگر نے کام کیا ہے طبیب کا
منصور ہے نہ کوئی مسیحانظ میں ہے
کیا بے محل ہے تذکرہ دارِ صلیب کا !
رکتا ہے بے ادب بھی یہاں زعم آگہی
یہ حال ہے تو حال نہ پوچھو ادیب کا !
یہ بارگاہِ حسنِ دو عالم نہ ہو کہیں
ہے پاسباںِ قیب یہاں کیوں قیب کا
واصفِ علی تلاش کرے اب کہاں تجھے !
دُور می کو جب ہے تجھ سے تعلقِ قریب کا

نہ آیا ہوں نہ میں لایا گیا ہوں
میں حرفِ کن ہوں نہ مرایا گیا ہوں
مری اپنی نہیں ہے کوئی صورت !
برہک صورت سے بہلایا گیا ہوں !
بہت بدلے مرے انداز لسیکن
جہاں کھویا وہیں پایا گیا ہوں !
وجودِ غیر ہو کیسے گوارا ،
تری راہوں میں بے سایا گیا ہوں !

نہ جانے کونسی منزل ہے واصف
جہاں نہلا کے بلوایا گیا ہوں !

تیری نگاہِ نطفِ اگر ہمسفر نہ ہو
دشواریِ حیات کبھی مختصر نہ ہو

اتنا ستم نہ کر کہ نہ ہو لذتِ ستم
اتنا گرم نہ کر کہ مری چشم۔ تر نہ ہو
یہ بھی درست، میرے فسانے ہیں چارو

یہ بھی بجا۔ کہ آپ کو میری خبر نہ ہو

میری شبِ فراق نے دی مجھ کو یہ دُعا
دامن میں تیرے آہِ سحر ہو، سحر نہ ہو

اس دہریہ میں عروج کا بلنا محال ہے
ہستی کے ہرزوال پہ جبک نظر نہ ہو

اُس پر کرے گا کون زمانے میں اعتماد

اپنی نظریں ہی جو بشرِ معتبر نہ ہو!

واعمف عبث ہے بخت! اے میر غریب کی

جب تک عبورِ فلسفہ خیر و شر نہ ہو

کبھی بلا کے کبھی پاس جا کے دیکھ لیا
 فسوں سوزِ دروں آزما کے دیکھ لیا
 بٹھا کے دل میں تمہیں بارہا نسا ز پڑھی
 تمہارے گھر ہی کو کعبہ بنا کے دیکھ لیا
 متاعِ زلیت بنے تیرے نقشِ پا کی قسم
 وہ اشک تو بنے جنہیں مسکرا کے دیکھ لیا
 ترے سوا تیری اس کائنات میں کیا ہے

جلا کے دیکھ لیا دل بھجا کے دیکھ لیا!
 کلیمِ ہوش کو کب تابِ حسنِ نظارہ
 یہ طورِ دل ہے کہ خود کو جلا کے دیکھ لیا
 بنے وہ شبنم و گلِ عنذلیب و سرو و عن
 نگاہِ شوق نے آنسو بہا کے دیکھ لیا
 نظر ہے شیشہ و ساغر، نظر ہے مے و اصف
 نظر کا جامِ نظر کو پلا کے دیکھ لیا!

تنہا سفر میں یا میں کسی انجمن میں ہوں
یارو میں بے وطن ہوں کہ اپنے وطن میں ہوں
ہے شام انتظار بھی میری نگاہ میں!
کننے کو التفات کی پہلی کرن میں ہوں!
دُنیا کا احترام، کہ طالب ہے آپ کی
میرا بھی احترام، کہ اپنی لگن میں ہوں!
اہلِ خود کے اب تو گریبان چاک ہیں،
میرے جنوں کی خیر کہ میں پیرہن میں ہوں
بے حرفِ آرزو بھی غلط جس مقام پر،
واصف میں اس مقام پہ ذوقِ سخن میں ہوں

تیری طلب میں جاں بلب ہو گیا ہوں میں
 آنے کا تیسے کیریوں بھی سبب ہو گیا ہوں میں
 تو ہے کہ تجھ کو نصرتِ یک کلام بھی نہیں
 میں ہوں کہ تیری راہِ طلب ہو گیا ہوں میں
 میں تیری جستجو میں بڑی دور آ گیا
 تجھ سے بھی بے نیاساب ہو گیا ہوں میں
 گل کر کے آرزو کئے دیتے اپنے ہاتھ سے
 خود تیرے انتظار کی شب ہو گیا ہوں میں
 رہتا ہوں دور دور میں تجھ سے بھی اس لیے
 تنہائیوں میں رہ کے عجب ہو گیا ہوں میں
 سمجھو اگر تو عزم ہے مری کائنات میں
 دیکھو اگر تو موجِ طرب ہو گیا ہوں میں
 دشتِ جنوں میں آتے ہیں واصف کے غمگسار
 صحرا کی رونقوں کا سبب ہو گیا ہوں میں

شام تو شام، صبح بھی ہے رات
جیسے مفلس کی زندگی ہے رات
رقص کرتے ہیں جب درو دیوار
دل کے آنگن میں جھومتی ہے رات
آتے آتے پلٹ گیا سورج !
جاتے جاتے ٹھہر گئی ہے رات
پھر کسی زخم نے زباں کھولی .
پھر دبے پاؤں آ رہی ہے رات
بزم ہستی بجا رہی ہے کہیں !
برق بن کر کہیں گرمی ہے رات
تیرے دامن میں ڈال کر تارے ،
میرے دامن سے آ لگی ہے رات
کس نے آواز دی مجھے واصف !
مجھ سے یہ راز پوچھتی ہے رات

میں اسیرِ رنگ و بو پابستِ آب و گل رہا
 ذات کا عرفاں مجھے اس حال میں مشکل رہا
 دوستوں نے پھیر لی جب سے نگاہِ التفات
 مہرباں ہو کر مرے گھر میں مراہتِ اتل رہا
 کب مری تخریب میں تیرا تغافل تھا شریک
 کب تری تعمیر میں میرا لہو شامل رہا
 کوئی امداد ہی نہ آیا ڈوبنے والے کے پاس!
 اک ہجومِ دوستاں یوں تو سرِ ساحل رہا
 دل کے بچھتے ہی چراغِ انجمن خاموش تھا
 دل جلا جب تک بڑا ہنگامہ محفل رہا!
 قربتوں کے برت خانوں میں رہا اک اضطراب
 بھر کے آتشِ کدوں میں اک سکوں حاصل رہا
 ہمسفر و اصف علی - گردِ سفر میں رہ گئے،
 مجھ کو احساںِ ندامت یوں سیرِ منزل رہا

شب چراغ

ملا بے جو متدر میں رستم تھا
زبے قسمت مرے جھٹے میں غم تھا
جب سین شوق نے یہ راز کھولا!
مرا کعبہ ترا نقشِ تدم تھا!
وہ نادم ہو گئے اپنے ستم پر
ستم یہ بھی تو بالائے ستم تھا!
مری کوتہ نگاہی تھی دگر نہ!
ستم اُن کا تو اک حُسنِ کرم تھا

جسے تو رائیگاں سمجھا تھا واصف

وہ آنسو افتخارِ جامِ جم تھا!

پھر تجھے یاد کر رہا ہوں میں
پھر زمانے سے ڈر رہا ہوں میں
عزمِ راسخ ہے یا فریبِ خودی
منزلوں سے گزر رہا ہوں میں
اُن کئی دیوار کا لے سایہ !
آسماں سے اتر رہا ہوں میں
بے بسی نے ڈبو دیا ورنہ !
قادرِ خیر و شر رہا ہوں میں !
عمر تارِ کیوں میں کاٹی ہے ،
اب اجالوں سے ڈر رہا ہوں میں
کوئی دامن سمیٹ نے مجھ کو ،
آنسوؤں میں بکھر رہا ہوں میں
کیوں نہ واصفِ بپاہواک محشر !
موت سے پہلے مر رہا ہوں میں

شب چراغ

کیا سوچ کے آئے تھے تری بزم میں ہم آج
کیا سوچ کے ہم لوٹے ہیں بادیرہ نم آج
لو وہ بھی پشیمان ہوئے اپنے ستم پر
لو یہ بھی ستم دیکھو بہ اندازِ کرم آج
ہستی کے فسانے کو جو عنوان ملا ہے
پیشانی احساس پہ کرنا ہے رسم آج
میں گردشِ دوراں کو سمجھتا ہوں غنیمت
یہ گردشِ دوراں بھی کہیں جاتے نہ تھم آج
وہ سر جو سرفرازی ملت کے میں تھے
وہ سر بھی ہوئے صُوتِ حالاتِ خم آج
مت پوچھتیں ہو گیا مغلوب کہاں کیوں
مت یاد دلا اپنی محبت کی قسم آج

اک بجدہ، بنا مِ دلِ وارفتہ بھی واصف
دروازہ میخانہ بنا، بابِ حرم آج!

زندگی سنگِ دریا سے آگے نہ بڑھی
عاشقی مطلعِ دیدار سے آگے نہ بڑھی !
تیرگی کیسوتے خمدار سے آگے نہ بڑھی
روشنی تابشِ رخسار سے آگے نہ بڑھی
دلبری رونقِ بازار سے آگے نہ بڑھی
سادگی حسرتِ اظہار سے آگے نہ بڑھی !
خود فراموش ترے عرش کو چھو کر آتے،
خواجگی جُبہ و دستار سے آگے نہ بڑھی
بس میں ہوتا تو تری بزم سجاتے ہم بھی
بے بسی، سایہ دیوار سے آگے نہ بڑھی
جلوۂ ذات سے آگے تھی فقط ذات ہی ذات
بندگیِ رقصِ سردار سے آگے نہ بڑھی
بے خودی دشتِ بیابان کو راہِ واصف
آگہیِ وادی پر خار سے آگے نہ بڑھی !

ترے قریب ہوتے جب سے آشکار ہوتے
ہزار بار کہاں صد ہزار بار ہوتے
تمہاری بزم میں تارے بھی پڑ سکوں تھے مگر
یہ اور بات کہ ہم دُور بے قرار ہوتے
بقافنا کی فنا ہی بفتا کی راہ بنی!
خزاں سے گزرے تو ہم بادِ نو بہار ہوتے
بلانہ ہم کو اگر سنگِ آستاں کا نشاں
برنگِ موج اُٹھے راہ کا غبُار ہوتے
ہوا تمہا حُسن ہی خود مائلِ کرم و اصْف
وہ اپنی ذات میں مخفی تھے آشکار ہوتے

ہم غریبوں پہ عنایات، خدا خیر کرے

لب پہ آتے ہیں سوالات، خدا خیر کرے
حُسن بیرونِ حجابات، خدا خیر کرے

عشقِ پابندِ روایات، خدا خیر کرے
اسے کہتے ہیں کسی چیمبز کا پارکھونا

سیرِ بازارِ ملاقات، خدا خیر کرے!
رکتے رکتے بھی قدم اٹھ گئے منزلِ کھن

بنتے بنتے ہی بنی بات، خدا خیر کرے
بے خبر ہوتا ہے منزل سے وہی جس نے کیا!

دعویٰ کشف و کرامات، خدا خیر کرے
دار پر ہوتی ہے مسند پہ نہیں ہو سکتی!

گفتگو ذات سے بالذات، خدا خیر کرے

یا دماغی ہے نہ اندیشہ فردا و اصف!
مٹ گئے سارے نشانات، خدا خیر کرے

دیے میں تُو نے زمانے کو بھر کے جامِ دُستِبو
میں تشنہ لب ہوں مرے واسطے جگر کا لہو
بھٹک رہا تھا میں سُود و زیاں کے صحرا میں
ترے دیار میں لاتی مجھے تری خوشبو، !
جب اپنی آنکھ سے دیکھا تو سب مرے اغیار
تری نگاہ سے دیکھا تو میں ہی اپنا عدو
حصارِ وقت کو میں توڑ کر نکل نہ سکا !
ترے جمال کا پہرہ لگا رہا برسوں !
تری تلاش مجھے میرے سامنے لاتی،
میں آتینے میں جو اُترا تو زبردِ بُرو تھا تو !
اس انقلاب کو کہتے ہیں ارتقائے حیات
کہ میں بھی میں نہیں اب تو بھی کب رہا ہے تو !
کلی کی آنکھ کے کھلنے کی دیر تھی واصف
خدا کا شکر کیا ہے گلوں نے کر کے وضو !

دوستو۔ دوستی کا نام نہ لو !
ہو چکی، دل لگی کا نام نہ لو !
میسکدے کے اصول بھی دیکھو
میسکھو، تشنگی کا نام نہ لو !
سرترازی ملی نشیمن کو
برق کی برسی کا نام نہ لو !
نت نئے گل کھلا ہی کرتے ہیں
ایک دل کی کلی کا نام نہ لو !
شہر کی جان ہو جہاں آباد
شہر کی اُس گلی کا نام نہ لو !
بے خبر، زندگی کا کیا شکوہ !
مختصر زندگی کا نام نہ لو !
مار ڈالنے کی شاخری و اصفت !
بھول کر شاعری کا نام نہ لو

زبان ہم ہیں، ہمہ گوش و گفتگو ہم ہیں
ہم آئینہ ہیں نظر ہم ہیں رو برو ہم ہیں
ہزار پردوں میں پنہاں ہے گرجاں ترا
تو کیا بہارِ چمن ہم ہیں رنگِ دُبو ہم ہیں؟
لو اپنے سر کو بتھیلی پہ رکھ لیا ہم نے
تمہاری تیغِ تغافل کی آبرو ہم ہیں
سکوتِ شب میں درِ میکدہ پہ کون آیا؟
خطا معاف ہو اے جانِ آرزو ہم ہیں!

ہمارے چاکِ گریباں کا ذکر کیا واصف
نہ پوچھ کس لیے بیگانہ رفو ہم ہیں!

شکوہ تو نہیں مستی اگر وقفِ الم ہے !
 غمخوار نے منہ پھیر لیا مجھ سے، تم ہے
 خود دار ہوں، خود سر ہوں، میں خدمت ہوں لیکن
 تو سامنے آجاتے تو سر آج بھی خم ہے
 تقدیر بدل جائے تو حاصل بھی ہے تقدیر،
 آغاز کی پیشانی پہ انجامِ رسم ہے !
 یادوں کی گذرگاہ میں، اڑتے ہیں بگولے
 سجدوں کا نشان ہے نہ کوئی نقشِ قدم ہے
 اندازِ قلندر کا نہ بے باک ہو کیونکر !
 مستی کا بھرم اس کی نگاہوں میں علم ہے
 بحدہ ہو، تو میخنے کے دروازے پہ دل ہے
 ساقی کی نظر ہو تو یہی بابِ حرم ہے
 سب سے بات تعلق کی، تعلق ہو تو واضح ہے !
 مائل بہ کرم ہوں یا ستم، ان کا کرم ہے !

سنبھل جاؤ عینِ دالو خطر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
جمالِ گل کے پردے میں شر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
لبوں کی تشنگی کو ضبط کا اک جام کافی ہے
چھلکتا جام زہرِ کارگر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
زمانہ ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو اک زلمے سے
مُجبت کی وہ اک پہلی نظر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
قیامت آگئی لیکن وہ آتے ہیں نہ آئیں گے
شبِ فرقت کی کب کوئی سحر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
غمِ جاناں غمِ آیام کے سانچے میں ڈھلتا ہے
کہ اک غم دوسرے کا چارہ گر ہے، ہم نہ کہتے تھے!

تڑپتی، کوندتی تھی برق لہراتی مچلتی تھی!

ہمارے چار تنکوں پر نظر ہے ہم نہ کہتے تھے!

غبارِ راہ میں کھوجائے گا یہ کارواں آخر

کہ رہن کارواں کا راہبر ہے ہم نہ کہتے تھے!

نشانِ منزل مقصود سے آگاہ تھے و اصف!

فریبِ آگہی سے کب مفر ہے ہم نہ کہتے تھے!

ہر قدمِ دل کُشی ہے کیا کہتے !
بس تمہاری کمی ہے کیا کہتے !
آنکھ سے لڑی ہے کیا کہتے ،
جان پر کیوں بنی ہے کیا کہتے !
بزمِ مستی تو ہم سجا لیتے ،
شمعِ محفلِ نبھی ہے کیا کہتے !
آشیاں کس طرح بنایا تھا
برق کیسے گرمی ہے کیا کہتے !
وہ بُلاتے تو ہیں مجھے لسیکن !
کس قدر بے بسی ہے کیا کہتے !
میرے ہی گھر کی چار دیواری !
راہ میں آکھڑی ہے کیا کہتے !
غمزدہ کائنات میں تنہا !
کون و اصف علی ہے کیا کہتے

کس قدر پابند ہے تحریر کی
ہائے مجبوری مری تفت پر کی!
زندگی مٹنے سے پہلے موت تھی!
موت ہی منزل ہے اس تعمیر کی
خود مصور دیدہ حیراں ہوا
آنکھ آئینہ بنی تصویر کی!
رُخ بدل جاتا ہے ہر طوفان کا،
بات کیا ہے۔ نالہ شب گیر کی!

کس زباں سے اب کہے واصف علی
آپ نے آنے میں کچھ تاخیر کی!

عجب اعجاز ہے تیری نظر کا
کہ ہم بھولے ہیں رستہ اپنے گھر کا
سحر آئی تو یاد آئے وہ تارے
پتہ جن سے ملا ہم کو سحر کا!
چلے ہو چھوڑ کر پہلے قدم پر؟
چلے تھے ساتھ دینے سحر بھر کا!
بہاریں آگئیں جب آپ آتے
دعاؤں نے بھی منہ دیکھا اثر کا!
حقیقت کیا فریب آگئی ہے؟
نظر بھی ایک دھوکا ہے نظر کا
عدم سے بھی پرے تھی اپنی منزل
سفر انجام تھا اپنے سفر کا !!!
مری آنکھیں ہوتیں مناک و اصف
خیال آیا کسی کی چشم تر کا!

اپنی ہستی کو مسمِ اَلْم سمجھے،
 ہاں مگر تیرے غم سے کم سمجھے
 ترکِ اُلقت پہ اُختیاریا نہ تھا
 ہم ترے ظلم کو کرم سمجھے!
 سرفرازی بشر کو ملتی ہے
 بشرط یہ ہے کہ کس قلم سمجھے
 آگہی خودِ عرب خوردہ ہے
 اس سہیقت کو لوگ کم سمجھے
 کیا تعلق تھا آپ سے اپنا
 آپ سمجھے اسے نہ ہم سمجھے
 زندگی کی ہر ایک اُلجھن کو!
 ہم ترے گیسوؤں کا خم سمجھے
 اب خدا سمجھے آپ کو واصف
 مجھ سے کیا کہہ رہے ہو "م سمجھے"

ذرا زلفِ برہم کے خم دیکھنا،
تلف بہ رنگِ ستم دیکھنا،!
نہ جانا مجھے دے کے غم دیکھنا
تجھے پڑ نہ جائے الم دیکھنا
مجھے یاد ہے وہ قیامت ابھی،
ترا مڑ کے ہر برہم دیکھنا!
بدل جاتے گا تو بھی میری طرح
وہ کہتے ہیں مجھ سے، ستم دیکھنا
شکایت نہ کر گردشِ وقت سے
یہ گردش بھی جاتے نہ تنہم، دیکھنا
نہیں لطف کا منتظر ایک تو
ہے دنیا کو اُن کا کرم دیکھنا!
ترے ایک بجدے سے واصف علی
یہی دیر ہو گا حرم، دیکھنا!

ستم ہوں گے مگر پیسہ نہ ہوں گے
کرم ہوں گے مگر جب ہم نہ ہوں گے
اگر تو نے ستم سے ہاتھ کھینچا ،
تو کیا ہم آشنائے غم نہ ہوں گے
کیسے تو بوجھ نہ جائے شمعِ محفل
پتنگوں کے عزائم کم نہ ہوں گے
ہمارا دم ہے زینتِ انجمن کی
ہمارا یاد ہوگی ہم نہ ہوں گے

خدا کو ہو محبت جن سے واصل ہے ،
وہ کیسے حسنِ برعالم نہ ہوں گے

شب ہستی کٹی ہے مرمر کے
صبح آتی خردا خدا کر کے !

یہ محلات نگ مرمر کے
کیا مست ابل ہیں دیدہ تر کے

چشم ساقی پہ امتداد کیا !
سو گئے سامنے سب دھر کے !

حشر ہنسنے کیا کہ تُو نے بپا،
کس نے چکے دیتے ہیں محشر کے

تیرگی چھٹ گتی مگر واصف
میہماں ہیں اُجالے دم بھر کے

کب اڑالے گئی ہو امت پوچھ
چار تنکوں کا ماجرا امت پوچھ
انتہا دیکھ، چشمِ عبرت سے
اس فسانے کی امت پوچھ
تُو نے جو کچھ کہا، تجھے معلوم
میں نے دُنیا سے کیا سنا، امت پوچھ
دے ذرا اپنے حافطے پر زور!
مجھ سے میرا آتا پتہ امت پوچھ
اپنی تفتدیر کی لکیریں پڑھ!
کیا کریں گے وہ فیصلہ امت پوچھ
پوچھ مجھ سے روزِ مرگ و حیات
ہاں مگر حرفِ مدعا، امت پوچھ
بے گناہی بھی مجرم ہے واصل
اور اس مجرم کی سزا، امت پوچھ

تو خیال نے بخش تھی جو خوشی نہ رہی
گلوں میں رنگ بہاروں میں دلکشی نہ رہی
مری نوشتت میں تھی خاک بہر جہاں در نہ
تمہارے فیضِ نظر میں تو کچھ کمی نہ رہی
تم اپنے عہدِ جوانی کو رو رہے ہو مگر!
ہم اپنے حال پہ روتے ہیں زندگی نہ رہی
اسی دُشوق سے ہم میسکدے میں آتے تھے
تری نگاہ کو دیکھا تو تشنگی نہ رہی!
ہزار کہتے کہ یہ آگِ دل لگی میں لگی!
جب آگ لگ گئی دل میں تو دل لگی نہ رہی
طلب طلب ہے، مگر دُور بد نصیب سا ہے
کہ خواجگی تو رہی بسندہ پروری نہ رہی
بڑے یقین سے دیکھی تھی ہم نے صبحِ اُمید!
قریب پہنچے تو واضح صاف وہ روشنی نہ رہی

جذبات۔ زیرِ گردشِ حالات سو گئے
چھائی گھٹا تو رندِ سراپات سو گئے!
منزل سے دور جاگتی سوچیں تمہیں ذہن میں
منزل پہ آگئے تو خیمات سو گئے
تاروں نے ہم کو دیکھ کے شبنم سے یہ کہا
یہ بد نصیب وقتِ مناجات سو گئے
کیا دلگداز موسم گل کا تھا انتظار
فصلِ بہار آئی تو نعمات سو گئے
آنکھوں میں ہم نے کاٹ دی شامِ غمِ سراق
آیا کوئی جو بہرِ طامات سو گئے!
اک خواب کے سوا ہے یہ ہستی تمام خواب
آئی ہے جن کے ذہن میں یہ بات سو گئے
آیا جو وقتِ معرکہ حق و کفر کا!
کیوں صاحبانِ کشف و کرامات سو گئے

خالی پڑے میں جام، کوئی بات کیجئے
زندگیاں تشنہ کام، کوئی بات کیجئے
توقیر میری کہہ کا تقاضا ہے میکشور
اب خاموشی حرام، کوئی بات کیجئے
محشر کی صبح کا ہی ذرا تذکرہ سہی
گزرے گی کیسے شام، کوئی بات کیجئے!
گزری ہے اُن پہ کیا جو عین سے بچھڑ گئے
امواجِ خوش خرام، کوئی بات کیجئے!
کیوں ہمسفر ہوئی ہیں مے ساتھ منزلیں
اجبابِ ذی مقام، کوئی بات کیجئے
کچھ دیر مجھ غریب کی محفل میں بیٹھ کر
یارانِ خوش کلام، کوئی بات کیجئے!
واصفِ نیکل ہی آئے گی باتوں سے کوئی بات
ان سے برائے نام، کوئی بات کیجئے!

جھکتے جسم کے صحرا کا اک سراب ہوں میں
 کہ اپنے خون کے دریا کا اک جاب ہوں میں !
 میں ایک فرد ہوں مجھ سے بے ملتوں کا ظہور ،
 حقیقتوں کو جنم دینے والا خواب ہوں میں !
 ورق ورق مری نظروں میں کائنات کا ہے
 کہ دستِ غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں !
 کسی نظر میں علامت ہوں خود پسندی کی !
 کسی نگاہ میں اک ذرہ تراب ہوں میں !
 درِ عطا پہ ہوں میں آخری سوال ، مگر ،
 اسی سوال کا اک آخری جواب ہوں میں !
 طلوعِ صبح کے چہرے پہ روشنی کیسی !
 سیاہ شب میں درخشندہ آفتاب ہوں میں !
 بے جستجو بھی مجھے اُس کی اک زمانے سے
 اور اک زمانے سے واصف کا ہمرکاب ہوں میں

نشاط رنگ بُو سے بے نیاز آرزو ہو کر
ہم اپنے روبرو آتے تمہارے روبرو ہو کر
ہمارے آنسوؤں میں ہو گیا خونِ جگر شامل
تری مٹھل سے ہم آتے مگر کیا سرخرو ہو کر
محبت مے، زمانہ میکدہ، ہر آدمی میکش
تلاشِ یار میں پھرتے ہیں سب جامِ دبو ہو کر
تعجب ہے بہاروں نے خزاں دوستی کر لی
چمن کی آبرو ہی لٹ گئی ہے رنگِ بُو ہو کر

اسی دیوانگی سے ہے نظامِ عاشقیِ واصف
جنوں کی نحویہی ہے چاک ہو جائے رفو ہو کر

میں آرزو تھے دید کے کس مرحلے میں ہوں
 خود آیت سنا ہوں یا میں کسی آیتنے میں ہوں
 رہنے کے کیا فریب دیتے ہیں مجھے نہ پوچھو
 منزل پہ ہوں نہ اب میں کسی راستے میں ہوں
 اس دم نہیں ہے فرق، صبا و سموم میں
 احساس کے لطیف سے اک دائرے میں ہوں
 تیرے قریب رہ کے بھی تھا تجھ سے بے خبر
 تجھ نے پھڑکے بھی میں تیرے رابطے میں ہوں
 ہر شخص پوچھتا ہے مرا نام کس لیے،
 تیری نگلی میں آ کے عجب مخلصے میں ہوں
 میں کس طرح بیان کروں حرفِ تمنا
 جس مرحلے میں کل تھا اسی مرحلے میں ہوں
 واصف مجھے ازل سے ملی منزلِ ابد
 ہر دور پر محیط ہوں جس زاویے میں ہوں

میرے سر پر جو ٹوٹا تھا
میری قسمت کا تارا تھا
کتنی صدیاں سمٹ رہی تھیں
اک لمحہ جب پھیل رہا تھا
آج میں صحرا میں ہوں پیسا
کل میں دریا میں ڈوبا تھا
وقت گزر جاتا ہے لیکن!
وقت بہت مشکل گزرا تھا
صرف بھی سے فور ہے اب وہ
صرف جو میرا کہلاتا تھا
وہ اُترا تھا میرے دل میں
میں اُس کے دل سے اُترا تھا
کوئی پاس نہیں تھا واصف
تنہائی نے زہر دیا تھا!

اپنی محفل میں مجھے بلوا کے دیکھ
یا مری تنہایتوں میں آ کے دیکھ
میں تری تاریخ ہوں مجھ کو نہ چھوڑ
بھولنے والے مجھے دہرا کے دیکھ
کس طرح ذروں کو مٹی ہے ضیا۔
تابشِ خورشید سے مکر کے دیکھ
اپنی چٹخیں آئینہ چہنشا میں سُن
سنگِ وحشت اس کے گمربا کے دیکھ
تجھ کو بھی کچھ آگہی مل جاتے گی
تو مری دیوانگی اپنا کے دیکھ!
صورتوں میں سے کوئی صورت نکال
ایک خاکے میں ہزاروں خاکے دیکھ
اس گمین میں کیا ہوا و اصف علی
بند کلیوں کی زباں کھلوا کے دیکھ

کون کسی کا اس دُنیا میں کس نے پیت نبھائی
اپنی ذات میں گم ہیں سارے کیا پریت کیا راتی
کالا سُوزِج دیکھ کے کالی ذات نے لی انگریزی
اپنی راہ میں حائل ہو گئی، آنکھوں کی بینائی!
پتے ٹوٹ گئے ڈالی سے یہ کیسی اُرت آئی۔
مالا کے منکے بکھرے ہیں، دے گئے یارِ جدائی
اک چہرے میں لاکھوں چہرے ہر چہرہ بر جاتی!
جھوٹا میلہ، انت اکیلا، جھوٹی پیت لگاتی!
اک ذرے میں صدیوں کی سُعت آن سمائی
اک قطرے میں ڈوب کے رہ گئی ساگر کی گہرائی
تجھ بن ساہن میری ہستی میرے کام نہ آئی
بات بنانے سے کیا بنتی، تُو نے بات بنائی
سانس کی آری کاٹ ہی بھیدیوں کی پہنائی
ہستی کے بہرِ پ میں اَصْفِ موت سید لائی

میں خود تلامذہم قلمزم ہوں خود ہی دشت کی پیاس
 وہ میرے دل میں ہے جس نے مجھے کیا ہے اُداس
 مرے شعور کے پنچنے نے نوچ ڈالا اُسے !
 ازل سے لایا تھا میں جو برہنگی کا لبہ اس !
 تلاش دہر کو ہے جس ہُما کی مدت سے
 تڑپ رہا ہے وہ میری شبِ فراق کے پاس
 سوال یہ تو نہیں ہو گی گفتگو کیسے ؟
 سوال یہ ہے کہ قائم رہیں گے ہوش و حواس ؟
 غمِ زمانہ کے دریا کی رستخیز ، نہ پوچھ
 گلوں کے ساتھ ہالے گیا چمن کی اساس
 وہ کون تھا جو مرے ساتھ ہمکلام رہا ؟
 جب آس پاس نہ تھا کوئی میرا درد شناس !
 وہ مطمئن کہ زیاں جو ہوا ہوا واصف !
 مجھے یہ سن کر کہ ہو کیسے وا ، ورا احساس

چھپوں کہاں کہ میں ہوں رازِ جوہرِ مستی
کھلوں کہاں کہ میں ہوں زلفِ شانہ، مستی
قدمِ قدم پہ ہوا اک جہانِ نوآباد!
اُجاڑ کے ہی ربا دلِ خرد کی ہرستی
ہمارے چاک تڑے پیرہن کی زینت ہیں
غرورِ حُسن، کہ رکھتا ہے ماورا، مستی
سُناتی دے نہ تجھے گر صدائے بانگِ جرس
ہر اقصو نہیں ہے تری ہی بدِ مستی

جنوں بنا ہے خرد کا امام پھر و اصف
کہ گنجِ باتے گراں مایہ شے نہیں سستی!

عیاں تھا جس کی نگاہوں پہ عالم اسرار
 اسے خبر نہ ہوتی کیا ہوا پس دیوار !
 کھنڈر کھنڈر جو دینے تلاش کرتا ہو
 وہ کس طرح سے بنے اپنے وقت کا فنکار
 میں کتنی صدیوں سے اس انتظار میں گم ہوں
 اٹنی اب تو میجا کو آسماں سے اتار
 وہاں ہوتی ہے سخنِ خدا کی پہنائی !
 یہاں دھری ہے ابھی تک مزار پر دستار
 یہ کیا غضب کہ مجھے دعوتِ سفر دے کر
 کڑھکتی دھوپ میں آنکھیں چراگئے اشجار
 اگر تفاوتِ منکر و عمل رہا بتا تم !
 بدل سکے گا کوئی کیسے وقت کی رفتار
 وہ جس نے توڑ دیا جامِ آرزو و اصف
 اسی کے نام سے منسوب ہیں مرے اشعار

وہ نہیں ملتا جسے مانگا گیا!
ہاتھ آیا وہ جسے پھینا گیا!
بات ہی رہ جائے گی تاریخ میں
ورنہ اس دُنیا میں جو آیا، گیا
دقت نے گردن جھکالی شرم سے
دقت سے کیا فیصلہ مانگا گیا
کوئی صورت بھی نظر آتی نہیں
کس لیے ہر آئینہ کجلا گیا
دے گیا سورج مرا مجھ کو جمود!
میرا سایا دور تک چلتا گیا
کیا مری بیسناتی مجھ سے ہمیں گئی
یا مرا ماحول ہی پتھر اگیں
اس کی بھی وا صفِ خبر کچھ لیجئے
کوچہ قاتل میں جو تنہا گیا!

نماش کرتا رہا دشت میں جسے آہو
وہ منزلوں کی مہک تھی کہ ذات کی خوشبو
وہ ایک شخص جو سایا اتارنے آیا،
مجھ پر کر کے گیا وہ بہت بڑا جادو
اگر ہو سامنے انسان کوئی کلیم صفت
سکوت سے بھی نکل آتے بات کا پہلو
عجب کرامتِ ایشا رہے شگفتن گل
بہار دے گئے گلشن کورات کے آنسو
ترا خیال ہے دنیا کی ایک موجِ طرب !
مرا خیال ہے قلم کا سیل بے قابو
یہ انتظار ہے مجھ کو کہ جو کے عالم میں
لگا ہی دے کوئی اک نعرہ ، وقت کا باہو
میں لکھ رہا ہوں حکایاتِ خوشچال و اصفت
ٹپک رہا ہے مری انگلیوں سے دل کا لہو !

وہ جو کردار کا مثالی ہے
اُس نے صورت مری چرائی ہے
تُو نے ہر ایک دل کی ساز خمی !
میں نے ہر ایک سے دُعالی ہے
تیرا حُسن سلوک بھی دیکھا
اپنی جرات بھی آزمالی ہے
کون مالک ہے اس امانت کا !
تُو نے سینے سے جو لگالی ہے
کو ریشموں کی ہے پذیرائی !
اہل بنیش کی پائمالی ہے
یہ الگ بات لٹ گئی عزت !
قیمتی جان تو بچالی ہے
شکوہ تقدیر کا عبث و اصف
خود شمیم میں برق پالی ہے

قیامت کس طرح آئی، اسے کوئی نہیں سمجھا
شب تاریک رخصت ہو چکی، سورج نہیں نکلا
بڑی محرومیاں لکھی گئیں اس کے مقدر میں
وہ راہی جو درختوں سے چڑا کر لے گیا سایا
ترے انکار سے ہستی میں خوتے انقلاب آئی
ترے انکار سے گویا جمود آرزو ٹوٹا !
پیام مرگ آئے گا نوید زندگی بن کر !
مرے قد کے برابر آگیا جس دن مرا بیٹا
چلو اظہارِ غم پر تو ترے ماتھے پہ بل آئے
مگر ضبطِ فغاں پر کیوں تری آنکھوں میں خوں ترا
تمہاری یاد میں قلمیں لگاتی ہیں گلابوں کی
تمہارے نام سے گھر میں لگایا سرو کا بوٹا
کبھی افلاک پر دیکھی گئی ذروں کی تابانی
کبھی تاروں کو و اصف خاک میں طے ہوتے دیکھا

وہ پاس تھا تو مجھے منہ نہیں دکھاتا تھا
جدا ہوا تو وہ خود راکتے سے بھٹکا تھا
میں چل رہا ہوں مگر فاصلے نہیں مٹتے
یہ حادثہ بھی مری زندگی میں ہونا تھا
وہ بھیڑتی کہ نظر سے نظر نہ ملتی تھی!
ہجوم شہر میں ہر آدمی اکیلا تھا!
ترس رہا ہے اب اک بوند کی عنایت کو
وہ آدمی جو کسندر کی تہ میں رہتا تھا
غلط کہ اس کے یہاں آگ بھی نہ جلتی تھی
غلط کہ سارا دھواں میرے گھر سے نکلا تھا
چلو کہ گر ہی گئی اپنے بوجھ سے دیوار
چلو کہ صرف اسی بات کا تو بھگڑا تھا
وہ ایک لمحہ جو صدیاں نگل گیا و اصف
وہ لمحہ وقت نے خود آستیں میں پالا تھا

بول حرفِ مدعا، تقریرِ طولانی نہ کر
 قیمتی الفاظ کی اتنی بھی ارزانی نہ کر!
 مہول جا اب کجکلاہی کے گئے ایام کو
 دقت کے عبرت کدے میں اپنی ہن بانی نہ کر
 اپنے ماتے سے تعلق کی نئی راہیں بھی ڈھونڈ
 صرغِ سجدوں ہی سے روشن اپنی پیشانی نہ کر
 میں دھواں ہوں دقت کے روشن الاؤ کی دیں
 بنگر کر اس آگ کا میری نگہبانی نہ کر
 وہ جو طوفان کے پھیڑے کھا رہا ہے اس کو پوچھ
 تو جو ساحل پر کھڑا ہے ذکرِ طغیانی نہ کر
 اپنے رنگیں خوں کی دنیا سے باہر بھی نکل
 آیتنے کے عکس کی اتنی ثنا خوانی نہ کر!
 عہدِ فردا کے قصیدے کا بھی ہو کچھ اہتمام!
 عہدِ رفتہ ہی کی واعظِ مرثیہ خوانی نہ کر

رونقِ بزمِ طرب، یاد نہ کر
زیت کے غم کا سبب یاد نہ کر
دیکھ اندازِ عطا بھی اس کا
اپنا اندازِ طلب، یاد نہ کر!
ہم کلامی کی ضرورت بھی سمجھ
صرف دستورِ ادب یاد نہ کر
کس طرح آئی سحرِ غور سے دیکھ
کس طرح گزری ہے شب یاد نہ کر
اس کا پیغام رہے پیشِ نظر
حُسن کی مجنبت لب یاد نہ کر
کیا ہوا اس کی ملاقات کے بعد
وہ ملا تھا تجھے کب، یاد نہ کر
دیکھ کردار کی جانبِ واصف
رتبہ و جاہ و نسب، یاد نہ کر

کرن کرن

(معترا نظمیں)

شب چراغ

۱۹۷

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات

ترپتا ہے ہر ذرہ کائنات
«ابال»

شب چراغ

شاہد و مشہود

نورِ مجتہم
خلق سے پہلے
ایک اکائی، واحد، یکتا
اپنی ذات میں تنہا مٹھی، گنجینہ تھا
نور کا ہالا
اپنے آئینے کا باطن
ظاہر ہو کر پھیل گیا ہے
سورج، چاند، ستارے، شبنم

موتی، آنسو، روپ انوکھے
حُسنِ مجتہم، خالقِ اعظم کے منظر میں
اس کے پرتو،

جس نے اپنا آپ دکھانے کی خاطر انسان بنایا،
وہ انسان بھی ایک اکائی، اک نقطہ تھا، پھیلنے والا
پھیل گیا ہے

نقطہ لیکن نقطہ ہی ہے،

جیسے اک قطرے میں قلم
قطرے اور قلم کی وحدت
ودیا، بھیلیں، بادل کالے

آنسو آنکھ سے بہنے والے

شبِ بنم کے پاکیزہ گوہر

ہر قطرہ قلم کا منظر

قلم کی گہرائی قلم

قلم کی پہنائی قلم

قلم کی انگریزی قلم

طوفاں قلزم، موجیں، قلزم
انسانوں کی کثرت — قلزم
وحدت — آدم
انسانوں کی بھڑکے اندر ہر انسان اکیلا ہی ہے
سوچ رہا ہے،
میں اک نقطہ، میں اک قطرہ
میں اک قلزم
پھیل گیا ہوں، بکھر گیا ہوں

اول و آخر

دانیہ گندم، گناہِ اولیں
دانیہ گندم، بنائے انقلاب
دانیہ گندم، تجسس، جستجو،
دانیہ گندم، فسادِ زندگی
دانیہ گندم، فسوںِ اہرن
دانیہ گندم، ہالِ آشیاں
دانیہ گندم، تبتزلِ ارتقاء
دانیہ گندم، بہارِ بے خزاں
دانیہ گندم، ربوبیتِ کاراز
دانیہ گندم، سفر سوتے زمیں
دانیہ گندم، سزاوارِ عذاب
دانیہ گندم، جہانِ رنگ و بو
دانیہ گندم، جہادِ زندگی!
دانیہ گندم، شعورِ تن بدن
دانیہ گندم، قرارِ قلب و جاں
دانیہ گندم، فاسوتے بقاء
دانیہ گندم، حیاتِ جادواں
دانیہ گندم، طلسمِ سوز و ساز

آدم و حوا کی بنیادِ سرشت!

سے یہی دوزخ، یہی دانیہ بہشت

بیمکت

یہ ایک لمحہ۔۔ جہانِ نو کا پیغامبر ہے
کتابِ فطرت کا اک ورق ہے
یہ ایک لمحہ جو زندگی ہے
اسی سے دنیا میں روشنی ہے
یہی ازل ہے
یہی ابد ہے

یہ ایک لمحہ۔۔ ہمارے فنِ کردِ عمل کی حد ہے !!

تلاش

میں نوحہ گر ہوں
ضمیرِ آدم کا نوحہ گر ہوں
سزا ملی ہے ضمیرِ آدم کو خودکشی کی
ضمیرِ آدم !!
تجھے میں کیسے حیات بخشوں
ترا میجا۔۔ کہاں سے لاؤں

فیصلہ

آدھا رستہ طے کر آیا،
اب کیا سوچ رہا ہے آخر!
انجانی منزل کی جانب
چلتا جاتے

یا واپس ہو جاتے راہی!
سوچ کے بھی اندازِ عجب ہیں
سوچ کے ہی آغاز کیا تھا
سُورستوں میں ایک پُختا تھا
اور اب سوچ ہی روک رہی ہے؟
آگے بھی کچھ تاریکی ہے
لوٹ کے جانا بھی مشکل ہے
سوچ کا سورج ڈوب رہا ہے
ایسے راہی کی منزل ہے — آدھا رستہ

دیک

خیال کی جدتوں میں شب بھر
سگتا رہتا ہے جسم میرا !!
میں خود گریزی میں مبتلا ہوں
تصادف علم و عمل سے بچنا۔
مجھے نظر آ رہا ہے مشکل — !

میں فکر کی دادیوں میں شب بھر
تلاش کرتا ہوں اس عمل کو
جو سرخوشی دے

مجھے مرے فکر سے بچاتے
کہ فکر ہی زندگی کا گھن ہے۔

مجھے مرنے کا کھاربا ہے
مگر میں کیسے نجات پاؤں !
کہ اب مرا فکر ہی عمل ہے۔
میں عمر بھر سوچتا رہوں گا
کبھی نہ آزاد ہو سکوں گا
کہ فکر ہی زندگی ہے شاید !
علاج اس کا — کوئی نہیں ہے
جو یہ نہیں ہے
تو میں نہیں ہوں !

صلابت

آفاقی تنویریں لے کر
سوچ کی راہیں جب چلتی ہیں۔
اندیشے دیوار بنا دیتے ہیں وہ میں
فکر کا راہی۔ رک جاتا ہے
ہر دیوار کی پیشانی پر،
اک تحریر ابھرتی ہے
رستہ بند ہے !!
فکر کا راہی۔ کب رکتا ہے
عزم کا پیکر۔ فکر کا راہی، ہر دیوار سے ٹکراتا ہے۔

شب چراغ

ہر دیوار ہے ایک روایت
آفاقی تنویر کی دشمن
انسانی تقدیر کی دشمن
عزم کا راہی، اپنے ہی بوسیدہ اندیشوں کا دشمن
ہر دیوار سے ٹکراتا ہے
آخر اک دن یہ دیواریں
عزم کے آگے بھک جاتی ہیں

تکمیل

امن کیا ہے؟

ایک وقفہ — مختصر

ایک جنگ اور دوسری کے درمیان

ایک لمحہ ہے بہار

اک خنماں اور دوسری کے درمیان

مختصر لمحہ — بہارِ جاوداں کیسے بنے

موت کیا ہے؟

ایک لمحہ — مختصر

زندگی اور زندگی کے درمیان

ہے اسی لمحے میں پوشیدہ

مرا روزِ ازل — یومِ ابد

پھر —! حیاتِ جاوداں

تضاد

تجھے بھی حق ہے، مجھے بھی حق ہے

کہ اس جہان چہار روزہ میں

اپنے اپنے خیال کی روشنی میں

ہستی بسر کریں ہم۔

نہ کوئی دیوار تیری راہ میں

نہ میرے رستے میں کچھ رکاوٹ

یہی تقاضا ہے زندگی کا

ہم اپنے اپنے مدار میں ہوں

کہ سارے اپنے حصار میں ہوں

مگر یہ صورت ؟

کہ تیرے میرے خیال میں ہوتضاد اتنا

تجھے نظر آئیں دن کو تارے

میں رات کو آفتاب دیکھوں۔

شہزنگ

- دل ہے ————— پتھر
آنکھیں ————— پتھر
صورت ————— پتھر
حیرت ————— پتھر
ہستی ————— پتھر
موت بھی ————— پتھر
بن بادل برسے ہیں ————— پتھر
ایسی آگ کہ ایندھن ————— پتھر
اٹتے ————— پتھر
بہتے ————— پتھر
پتھر کی نگری میں ————— پتھر
پتھر سے پتھر ————— ٹکراتے
کس پتھر نے اشک بہاتے؟

پرانے کاغذ

پُھپے ہوئے آتشیں جزیرے
اگر ہوا میں زبان کھولیں
تو آگ لگ جائے پانیوں میں

_____ امانتیں ہیں

_____ حقیقتیں ہیں

مجتوں کی صباحتیں ہیں
رفاقوں کی صداقتیں ہیں

بدستِ الفاظِ نرم و نازک
یہ گرد آلود آئینے ہیں

ان آئینوں میں سمٹ رہے ہیں
پُرانے چہرے، پُرانی آنکھیں
ورق پُرانے۔ دریدہ تن میں
یہی تو خلوت کی انجمن ہیں
نشاطِ عزم کے کئی فسانے
سُنا رہے ہیں ورق پُرانے

نقوشِ رنگیں مٹے مٹے سے
چراغِ گویا بکھے بکھے سے
پُرانے کاغذ، پُرانے کاغذ
شکستگی کا مزار کہتے
کہ جن پہ کتبہ نہیں ہے کوئی !!

رشتہ

جھلمل جھلمل

دورانی پر

ایک ستارہ !

اپنے دل کی بات سناتے

میرے دل کی سمجھ نہ پاتے

مستقبل کا روشن تارہ

مجھ کو ماضی یاد دلاتے

میرا ماضی ؟

ایک کہانی — ایک پہیلی

نذر روپ — نہرے ساتے

جگمگ جگمگ کرنے والے

کہنے تارے،

اُبھرے، چمکے، ڈوب گئے

ایک ستارہ، سب تاروں کو بنگل گیا تھا

جانے والے کب لوٹے ہیں؟

اک اک کر کے ڈوبنے والے

سب تاروں کو — ایک ستارہ — کھا جاتا ہے!

مستقبل کا روشن تارہ

پھین کے بیٹے لمعے سارے

خود ہی دل میں آبتا ہے۔

بیٹے لمحوں کے سب تارے

آنکھ سے آخر، بہہ جاتے ہیں۔

اور پھر، دل میں آنے والا

راہی اپنے مستقبل کا

ایک ستارہ

پتھر بن کر — دل کے اندر سوجاتا ہے !!

برقاس

پیڑ چپ چاپ، مکاں گنگ، فضائیں خاموش
کوئی آواز نہ آہٹ کوئی
اتنی پُر ہول خموشی کہ بیاں سے باہر
نیند بھی ڈرتی ہے سناٹوں سے،
پھر یکایک
میرے کانوں میں صدائیں کتنی
ایک ہنگامہ بپا کرنے کو آجاتی ہیں
گو بچنے لگتا ہو ماضی جیسے
چھینتا ہے مرے کانوں میں بیاں کی طرح،

پھر یکا یک کسی نغمے کی صدا آتی ہے
یہ ہر فردا ہے آواز مجھے دیتا ہے
جانے پھر کون قدم میرے پکڑ لیتا ہے؟
پھر وہی ساکت و جامد ماحول
وہی خاموش فضا،
پیر چپ چاپ، مکاں گنگ، فضائیں خاموش۔

فرمائش

آخر اک دن۔
اُس نے مجھ سے کہہ ہی ڈالا
مجھ پر بھی اک نظم کہو تم
ایسی نظم
کہ جس میں میرا نام نہ آئے
میں خود آؤں !

تین من

(دوہے)

شب چراغ

۲۲۱

نہ زباں کوئی غنزل کی، نہ زباں سے بانجبر میں
کوئی دلکش صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی
(اقبال)

شب چراغ

ندی کسارے میں کھڑی جانے اُس پار
رام بھروسے چل پڑوں تن نیا من کھیون ہار!

تارا ٹوٹا دیکھ کے دل نے کی پکار، !
کوئی مجھے بھی دیکھتا، میں ٹوٹا سو بار

پریم نام کو جا پلے جانے کل کیسا ہو،
مایا دیش کی پڑھنی پریم سے امرت ہو!

بہت پارامت کروانت سیرا دور،
جنگل جا کے باسے کھائے خشک کھجور!

جس بن تڑپے ماپھسری، مجھ، بن کپے دل ،
نین کو اڑ زاکش کھڑے، آسا جن اب مل !

من مسدر کی مورتی من کو، ہی تڑ پاتے ،
دیش بدیش بنائے کے اب کاہے کو جلے

نین سے نین ملاپے کے، اب کاہے بے چین
سا جن من میں آہے، اب کاہے کو بین !

میں ناچوں جگ ناچتائیں رڈوں جگ روتے
ایک نہ مانے بانیا پیے گن کے سوتے

مورکھ آنکھیں پھاڑ کے دیکھے میسری اور
بھید نہ جانے سادھ کا، چور نے دیکھا چور

لے دے کر کے بانیا عمر اکارت کھوتے
خالی دیکھ کے روکڑی بات لے اور روتے

ٹھا کر دوارے جائے کے چاپو اپنی جاست !
ہم جائیں تم یئج ہو، ٹھا کر سے کیسات،

جگت گرو کا بالکا کھڑا ڈہائی دے ، !
نیند کے ماتو سنیو گجر سنائی دے !

باہل گھر کی راگنی ہوتی بدیش سوار، !
شہنائی کی گونج میں سکھیاں کریں پکار

میں ندیا کھسار کی چلتی چلتی جاؤں ،
ساگر میری جان ہے - ساگر سے مل جاؤں

میں رادھے کا شیم ہوں میں بنی کا راگ
میں جانوں، پر ماتما، تو شیطان تو بھاگ!

توری چتون دیکھ کے آتش بھتی زاش!
دھرتی تو دھرتی بھتو دم سادھے آکاش!

ہری ہری میں ہر گئی میں ہاری ہر بار،
بار ہی موری جیت ہے موہ سنگ کھیلے یار

نہن پیاسے نہن کے دھوا کا سہ ہوتے
نہن پلاتے، نہن پئے، انت کو نہن ہی روئے

منوا پسنے یاد نہ کر جس بھراوت نہن!
مبور کبھو کی ہو گئی چھوڑ رین کے بن!

پر بت کانپے خون سے تو بھاگے مُنہ زور،
سا جن تیرے کر میت ہیں، ادسا جن کے چور؟

مورکھ، دل نہ نرن دیتے دل میں دلبر ہوتے
دلبر روٹھا کب ملے، ندی کمنارے سوتے

غافل ڈوری سانس کی پل پل کٹتی جائے !
جھوٹی کال کی بانسری کال کبھو نہ آئے !

مورکھ گُٹیا ہوش کی گھاس پھوس کا ڈھیر،
دیکھ آگ لگائے بن میں دیپ جلے کی دیر!

مایا گن گن رین ہوئی، آتی چور کی بار، !
سویا مورکھ لٹ گیا، مانگے دوجی بار!

آشادوں کے دیش میں کھڑی زارشا روئے
میں آشا کا انت ہوں آتش نہ کریتو کوئے!

جو سکھیاں رنگ رازمی کریں سوچ بچار
ایک ہی بوند میں رنگ نے اڑنا ہے سو بار

ماٹی پر ماٹی چلے، چلے ہزاروں رنگ،
انت کو ماٹی جا ملے: ماٹی ہی کے سنگ!

مورکھ نبھاگے جاتے ہے جیسے لاگے آگ۔
آگے آگے لوبھ ہے پاچھے خوف کا ناگ!

واصف کے کبیرے سنو ہمارے یار!
ہم تم جیسے جگت میں آئیں نہ دوجی بار!

کلام نو

(نعت، نظم، غزل)

شب چراغ

۲۲۹

کھڑتا نہیں، کاریں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شان وجود
(اقبال)

شب چراغ

نعت

”دسے صورت راہ بے صورت دے“

من رآنی کا مدعا چہرہ
سر مگیں چشم آبیہ ما زاغ
عالم خواب میں حقیقت ہے
مصطفیٰؐ آنکھ ہو خدا صورت
یہی چہرہ شان و جب و اللہ
یہ ہے تفسیر حسن تقویم
مرنے والوں کی آخری خواہش

صورت حق کا آئینہ چہرہ
زلف و لیل والضحیٰ چہرہ
آپ کا چہرہ، آپ کا چہرہ
بوحسنا آنکھ مصطفیٰ چہرہ
ورنہ رکھتا ہے کیا خدا چہرہ
ابتدا چہرہ، انتہا چہرہ
مرے آقاؐ مجھے دکھا چہرہ

رگزار حیات میں واصفت
بارغ فردوس کی ہوا چہرہ

باعثِ حرفِ دُعا یاد نہیں
میں کسے بھول گیا یاد نہیں
کس نے کی کس سے جفا، یاد نہیں
کون تھا جان و فدا، یاد نہیں
کس نے طوفان کے تھپڑے کھائے
کون، ساحل پر رہا، یاد نہیں
جرمِ اظہارِ محبت توبہ
کچھ بھی توبہ کے سوا یاد نہیں
کب مری ہمسفیری میں آیا
کب ہوا تھا وہ جسد، یاد نہیں
کارواں راہ سے کیسے بھٹکا؟
کون تھا راہِ بنما، یاد نہیں
کب جلا اپنا نشیمنِ واصف
کب ہوئی آہِ رسا، یاد نہیں

دُور سے اُڑ کے برے دیس میں آئی مٹی
کھا رہا ہوں میں بصدِ عجزِ رانی مٹی
کہیں کاسہ لیے مصروفِ گدائی مٹی
کہیں انسانوں پہ کرتی ہے خدائی مٹی
دامنِ کوہ میں قدرت نے بچھائی مٹی
ایک فنکار نے رنگوں سے سجائی مٹی
میں ہوں مٹی میں کبھی مجھ میں سمائی مٹی
مجھ کو جنت سے یہاں کھینچ کے لائی مٹی
پھر سمجھ آئے گی کیوں اس نے بنائی مٹی
تجھ پہ جب ڈالیں گے روتے ہوئے بھائی مٹی
درِ محبوب سے تھوڑی سی اٹھائی مٹی
پھر بڑے فخر سے ماتھے پہ سجائی مٹی
جس نے محبوبِ وطن کی ہے اڑائی مٹی
واصفِ اس شخص کی ہو ساری کمائی مٹی

چاندنی رات میں کھلے چہرے
صبح ہوتے ہی چھپ گئے چہرے
عین نگاہوں کو کس طرح بدلوں
آپ نے تو بدل لیے چہرے
غور سے دیکھ آبیگیتوں کو
کھل کہاں ہوں گے آج کے چہرے
کھا رہے ہیں درخت کا سلیہ
ٹہنیوں سے لگے ہوئے چہرے
اس کا چہرہ کب اس کا اپنا تھا
جس کے چہرے پر فرٹے چہرے
زندگی میں کبھی نہیں ملتے
کانغذوں پر سجے ہوئے چہرے
آگے کھل کے سامنے واصفت
آستیں میں چھپے ہوئے چہرے

مرے جہاں کا نصاب چہرے
میں پڑھ رہا ہوں کتاب چہرے
یہی جہاں ہے، یہی سزا ہے
ثواب چہرے، عذاب چہرے
کسی جہاں کی حقیقتیں ہیں
کسی زمانے کے خواب چہرے
یہ زندگی ایک موج دریا
رواں دواں ہیں جناب چہرے
میری زمیں کے کسی فلک پر
مہک رہے ہیں گلاب چہرے
کہیں مجتہم سوال ہمیں یہ
کہیں سراپا جواب چہرے
بپا کریں گے جو حشر و اصفت
ابھی نہیں زیر نقاب چہرے

دور تک بے مائیگی کا سلسلہ محسوس کر
 اپنے جامے سے نکلنے کی بنا محسوس کر
 سامنے آتا ہے جو منظر اسے دھوکا سمجھ
 بند بنے گنبد کے اندر جو صد محسوس کر
 خواب کی اونچی اڑانیں خواب تک محدود رکھ
 تنگ ہوتا جا رہا ہے دائرہ محسوس کر
 سوپ دے تاریخ کو گزرا ہوا ہر حادثہ
 ہے تجھے درپیش اب جو مرحلہ محسوس کر
 پھونک کر اپنا قدم رکھ عبرتوں کے شہر میں
 عرصہ محشر میں تازہ کر بلا محسوس کر
 بند کمرے کے درپیکے خود بخود کھل جائیں گے
 آنے والے شخص کی آوازِ پامحسوس کر
 نیند میں ڈوبی ہوئی صدیوں کا واصف ذکر کیا
 جاگتے لمحوں کی آوازِ دیر محسوس کر

روشنی، کائنات کی خوشبو
چار سو حُسن ذات کی خوشبو
فاصلے وقت کے سمٹتے ہیں
جب مہکتی ہے رات کی خوشبو
دل کی گہرائیوں سے جب نکلے
پھیلتی جائے بات کی خوشبو
آدمی کو عدم سے لاتی ہے
عالم شش جہات کی خوشبو
تا قیامت رہے گی شرمندہ
کربلا میں فرات کی خوشبو
اک تعفنِ عنسور کی ذیبا
عاجسزی میں نجات کی خوشبو
اپنے اپنے مزار میں واصف
اپنی اپنی صفات کی خوشبو

تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کند تھی

دیوار اپنی راہ میں اس سے بلند تھی
وہ شے جو اُس نے اپنے لیے منتخب نہ کی

وہ چیز اُس کو میرے لیے کیوں پسند تھی
لقمہ تھا اپنے ہاتھ میں قسمت کے زھر کا

کام و دہن میں لذت و خوشبوئے قند تھی
اس کی گلی میں سب کو ملی دادِ شنگی

نہرِ سنارت صرف مجھی پر ہی بند تھی
میدانِ کارزار میں واصف سے نہ ڈھونڈ
پانے ہی گھر کے صحن میں جس کی زقند تھی

چسانہ پانی میں یوں اُتر آیا
کوئی پردہ سی جیسے گھر آیا
دل میں جب حرفِ آرزو نہ رہا
دیدہ تر میں تب اثر آیا
میں بھی اپنے خیال میں گم تھا
وہ بھی کھویا ہوا نظر آیا
یوں تو مجرم تھے سب برابر کے
سارا الزام ایک پر آیا
کتنے منظرِ نظر سے گزرے ہیں
عید کا چاند جب نظر آیا
بل گئے ہونٹ اُس مسافر کے
تیرے کوچے سے جو گزر آیا
ہم سفرِ منزلوں پہ جا پہنچے
ایک واصفت نہ راہ پر آیا

آپ جس دن سے مہربان ٹھہرے
ہم عذابوں کے درمیاں ٹھہرے
وقت بحرِ سال میں گزرتا ہے
وقت کا قافلہ کہاں ٹھہرے
آنسوؤں میں شباب ڈھل جائے
پانیوں میں کہاں کہاں ٹھہرے
پاؤں سے جب زمیں نکل جائے
سر پہ کیوں بارِ آسماں ٹھہرے
اب ترا نام لب پہ ہے واصفت
اب کہاں خسلق کی زباں ٹھہرے

رخصت کے وقت صبر کی تلقین کر گیا
ایسا ہی برا مجھے بے دین کر گیا
رکھتا ہے اپنے پاس وہ اب تک مرے خطوط
اپنے خطوط مجھ سے مگر چھپین کر گیا
دامن میں اب تو کچھ بھی انا کے سوا نہیں
میرا غم رو رہی مجھے مسکین کر گیا
دستِ شفا سمجھتا تھا میں جس کے ہاتھ کو
وہ اپنے ہاتھ سے مری تکفین کر گیا
وہ شخص جس کو حوصلے میں نے عطا کیے
واصف وہ میرے عزم کی توہین کر گیا

مست پوچھو کہ میں کتنی بلندی سے گرا ہوں
دے مجھ کو دلاسا کہ میں اب ٹوٹ چکا ہوں
تو باعث ہستی بنے تو میں حاصل ہستی
ماتے تابش خورشید میں فترے کی اما ہوں
شادابی گلشن میں وہ مصروفِ طرب ہے
میں درد کے صحرا میں جسے ڈھونڈ رہا ہوں
الفاظ کا مفہوم بدل جائے جہاں پر
اُس صورتِ حالات سے دوچار ہوا ہوں
اب جاں سے گزرنے کا ہے اک مرحلہ باقی
رشتوں کی اذیت کا سفر کاٹ چکا ہوں

ہم نے اپنے دور میں کیا کیا دیکھا ہے
تعبیروں نے خواب کے ناطہ توڑا ہے
چاٹ رہی تھیں کبر میں اپنے سورج کو
آنکھوں نے ایسا منظر بھی دیکھا ہے
اک جیسے آنسو میں سب کی آنکھوں میں
ہر انسان کا ہر انسان سے رشتہ ہے
تُو نے کیوں ماتھے پہ رکھ لی ہیں آنکھیں
میں نے اپنا حق تجھ سے کب مانگا ہے
وقت سے پہلے وقت بدل جانے کیسے
وقت بدلنے کا بھی موسم ہوتا ہے
جب تازہ پیغام بلا ہے منزل کا
اک اونچی دیوار نے رستہ روکا ہے
اب تو اپنا ہونا بھی مشکوک ہوا
اس نے میرا نام مجھی سے پوچھا ہے
بھیڑ کے اندر کیوں افسردہ بنے واصلت
اس میلے میں ہر انسان اکیلا ہے

قدم قدم پہ تھا اک مرحلہ، میں کیا کرتا
 طویل ہوتا گیا فاصلہ، میں کیا کرتا
 ہر ایک شخص کو تھا زعم رہبری کہتے
 ہنسا رہا تھا مگر قافلہ، میں کیا کرتا
 عین حیات عین عشق اور عین عقبتی
 الجھ گیا تھا ہر اک سلسلہ، میں کیا کرتا
 تمہارے ساتھ کے فیصلے کی فرصت تھی
 تمہارے بعد بھلا فیصلہ میں کیا کرتا
 بہت سنبھال کے رکھا تھا دل میں راز ترا
 وہ راز بن گیا جب مسئلہ، میں کیا کرتا
 مجھ سے مانگنے آیا وہ دادِ مجبوری
 اب اُس سے اُس کی جفا کا گلہ میں کیا کرتا
 وہ آنسوؤں کی زباں جانتا نہ تھا واصفت
 مجھے بیان کا نہ تھا حوصلہ، میں کیا کرتا

پھر نگاہوں کو پیا کس ہے آجا
پھر مرا جی ادا کس ہے آجا
تو حقیقت ہے یا فسانہ ہے
وہم ہے یا قیاس ہے آجا
سن رہا ہوں میں آہٹیں تیری
تو کہیں آس پاس ہے آجا
میں چلو گم سہی فسانوں میں
تو حقیقت شناس ہے آجا
کوئی دعوے نہیں تعلق کا
رحم کی التماس ہے آجا
اب حجابات کی ضرورت کیا
تیرگی کا لب کس ہے آجا
کب سے ہے منظر ترا واصفت
کب سے ملنے کی آس ہے آجا

اُس کا کیا اغتبار، اب سو جا
 جا کے آتے کون کب، سو جا
 دل کو ہر آرزو سے خالی کر
 مطمئن ہو کے بے طلب، سو جا
 بے بسی یہ کہ آدمی ہے تو
 تو نہیں ہے کسی کا رب، سو جا
 یہ بھی ممکن وہ خواب میں آئے
 نیند شاید بنے سبب، سو جا
 بچھ گئے ہیں چراغ محفل کے
 اب کہاں رونق طرب، سو جا
 یاد رکھ اس کو خود کو بھی نہ بھلا
 نصف شب جاگ نصف شب سو جا
 زندگی کا ثبوت دے واصفت
 سو گئے ذی حیات سب، سو جا

میں نے افکار کے چہرے سے بنایا پردہ
کھم نگاہی کا ترے ذہن پہ چھپایا پردہ
جو حقیقت پس پردہ تھی وہ پردے میں رہی
ہم نے بس چوم کے آنکھوں سے لگایا پردہ
یوں تو رحمت ہے تیری تیرے غضب پہ حاوی
پھر بھی محشر میں مارا رکنا حشا ایا پردہ
ایک سنیام مجھے سند ہواؤں نے دیا
جب بری چھت پہ گرا آکے پرایا پردہ
اُن درختوں کو خدا رکھے سلامت و اصف
جن درختوں سے غریبوں نے بنایا پردہ

خوشنویسے رنگ، رنگ سے خوشنویس کمال دے
دل کو بچھا کے شہرِ تمنا اُجال دے
اپنے عمل کا آپ ہی اچھا سا نام رکھ
کچھ نظمِ نطفی نگاہ کو حسنِ مال دے
کچھ اور ہی طرح سے وہ ہوتی ہیں صورتیں
تا دلِ سخن جن کو اپنے لیے خدو خال دے
اپنے سکونِ قلب کا کچھ اہتمام کر
اس خانہِ حسد سے کدورت نکال دے
تیرہ شبی حسد دے باہر نکل گئی
واصف اب اپنے درد کا سورج اُچھال دے

وہ میرا ہم سفر ہو ممکن ہے
زندگی یوں بسر ہو ممکن ہے
ہم جسے تیرگی سمجھتے ہیں
وہ لباس سحر ہو ممکن ہے
میرے آنسو بھی خشک ہو جائیں
آنکھ اُس کی بھی تر ہو ممکن ہے
دُعا وقت ہی بدل جائے
اتفاقات نظر ہو ممکن ہے
میں نے کعبہ سمجھ لیا جس کو
وہ تراشنگ در ہو ممکن ہے
اب کوئی آرزو نہیں باقی
یہ دُعا کا اثر ہو ممکن ہے
مجھ کو اپنی خبر نہیں واسف
تجھ کو میری خبر ہو ممکن ہے

تلخی زبان تک تھی وہ دل کا برا نہ تھا
 مجھ سے جدا ہوا تھا مگر بے وفاء نہ تھا
 طرفہ عذاب لائے گی اب اس کی بددعا
 دروازہ جس پہ شہر کا کوئی کھلا نہ تھا
 شامل تو ہو گئے تھے بھی اک جلوس میں
 لیکن کوئی کسی کو بھی پہچانتا نہ تھا
 آگاہ تھا میں یوں تو حقیقت کے راز سے
 اظہار حق کا دل کو مگر حوصلہ نہ تھا
 جو آشنا تھا مجھ سے بہت دور رہ گیا
 جو ساتھ چل رہا تھا برا آشنا نہ تھا
 سب چل رہے تھے یوں تو بڑے اعتماد سے
 لیکن کسی کے پاؤں تلے رہتا نہ تھا
 ذروں میں آفتاب نمایاں تھے جن دنوں
 واصف وہ کیا دور تھا، وہ کیا زمانہ تھا

کیوں ٹوٹ گیا تارا ؟
اک دوست بنایا تھا، دشمن ہوا جگ سارا

اب دھڑکن کیوں لاگے ؟
مشکل سے جو باندھے تھے اب ٹوٹ گئے دھاگے

اک بات بتاؤ گے ؟
مُنہ پھیر کے جاتے ہو، کب لوٹ کے آؤ گے ؟

کیا کہتے ہیں ہمسائے ؟
تم نے ہی بلایا تھا، ہم خود تو نہیں آئے

کیوں ٹوٹ گیا سپنا ؟
اپنا جسے سمجھے تھے، وہ شخص نہ تھا اپنا

کابے کو دُباتی دے ؟
آواز تو آتی ہے صورت نہ دکھائی دے

کیوں لب پہ پڑے تاملے؟
افسلاک ہلا دیں گے اک روز زمیں والے

کیا فسری گاتی بنے؟
بیلے میں بہا آئی بسا جن کو بلاتی بنے

کس طرح کامیلا بنے؟
بنے بھیڑ بڑی نیکن ہر شخص اکیلا بنے

کیوں چھپ گئے سب تارے؟
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں دیکھے ہوئے انگارے

پنجابی کلام*

جو کیستی سو اگے آئی دودھ دا دودھ پانی دا پانی
کالی رات وچھوڑے والی ایہو ڈین اے بندے کھانی

آون جساون والا ساہ چُپ کر کے پے جانا راہ
میں رانجھے دی رانجھا میرا چاچا کید وخواہ مخواہ

رات ہنیری، کلہاٹا پو اتوں ماہ سیالا
میں وچ کلہا بیٹھ کے پیواں اتب جیاتی والا

دستور زالا اے دنیا دا اَج کیستیاں تے کل بتیاں نے
اگے آوندیاں اپنے آپ دے جی جھیریاں وچ دلاں دے نتیاں نے
اتھے خالی جنا ہندیاں جھولیاں نے اوہ رہندیاں سدا بڑ بولیاں نے
جہناں بکلاں دے وچ ماہی وسدا اوہ رہندیاں چُپ چپتیاں نے

میرے سرتے انبر ڈگیا میں تارے چُن دی جاں
میں اپنے آپ نوں ڈنگیا میں سپاں دی وی ماں

* پنجابی کلام "بھرے بھڑولے" سے

اڈوی نہیں سماں اُتے اپنے آپ پتنگ
 جہدے ہتھ وچ ڈورے تیری ابدیاں خیراں منگ
 ایہہ حیاتی اپنی ساری رُوح تے بُت دا جھگڑا
 رانجھا رانجھا کر دی مرگتی سیہرے یار دی منگ

دل دے اندر خانہ کعبہ ساڈا ہویا گھر وچ حج
 آپ امام تے آپ نمازی آپے بانگاں دیواں اُج
 نیڑے آکے ویٹرنے ہماڈے وناں امی تے وس
 دورون چمکاں مارے مسانوں اینویں نہ پیا گج

ساڈی کوٹھی دانے پا نہیں تے نہ سہی اپوں کھا
 تیری سب خدائی دیکھی اس تو باگلی گل دکھا

اج کل میرے چار چوہیرے تیرے درواں لائے ڈیرے
 جیوں دیوے دی لوتے بیٹھے پیرے دار ہنیرے
 میرے دل دی سب دے منکے، کجھ سماں تے جا چمکے
 باقی رات نے اوس بنا کے پھلاں اُتے کیرے
 ایہدی کجھ تعبیر وی دسو، جم جم جیو، جگ جگ دسو
 میں سفنے وچ کی دیندا ہاں، چھتلاں بیٹھ بنیرے

آپے اپنی رست پنخوڑی آپے رو رو پستی
 دسن والی گل نہیں کوئی، جو بیتی سو بستی
 تیرا دوش نہیں اے کوئی، جو ہوئی اے رتی ہوئی
 ساڈے مال تے چنگی ساڈے اپنے لیکھاں کستی

اکھاں دے وچ دسن والا سوہنا نظر نہ آوے
 دل نون ٹھنڈک دیون والا دل نون آگ لگاوے
 کالی رات جدائی والی اپنا رنگ دکھاوے
 پچھو نہ کیوں کالے ہو گئے شوہے، پیلے ساوے
 ہتھوں باز اڑا کے کسی تھلاں نون ٹر جاوے
 چسلی وا وچھوڑے والی کوئج پئی کر لاوے
 جیہڑا سوچ سمندر وڑیا، ڈہڈا ڈہڈا جاوے
 سُچا موتی سوچ سچی دا مرمر کے ہتھ آوے
 آساں ماری ہیر و چاری زاریاں کر دی جاوے
 رانجھا کن چ مندریاں پا کے آوے یا نہ آوے
 دیوے خوشیاں دے بچھ جاون، غم موسم جد آوے
 سدے شہر نہ ملدے چتھے ڈیرا عشق لگاوے
 کانہوں، کیویں، کد، کی ہویا خلقت پچھیں آوے
 لوکاں نون دس تیرا واسف کیٹری گل سناوے

تصانیف

واصف علی واصف

* کرن کرن سورج — (نثر پارے)

* دل دریا سمندر — (مضامین)

* قطرہ قطرہ تلزم — (مضامین)

* The Beaming Soul

* عرف عرف حقیقت — (مضامین)

* بھرے بھڑولے — (پنجابی کلام)

* شب زاز — (شاعری)

* بات سے بات — (نثر پارے)

* گفتگو — (سوال جواب)

* گمنام ادیب — (خطوط)



مصنف